ماہنامہ

کراچی

آنکھ مچولی

اگست ۱۹۹۶

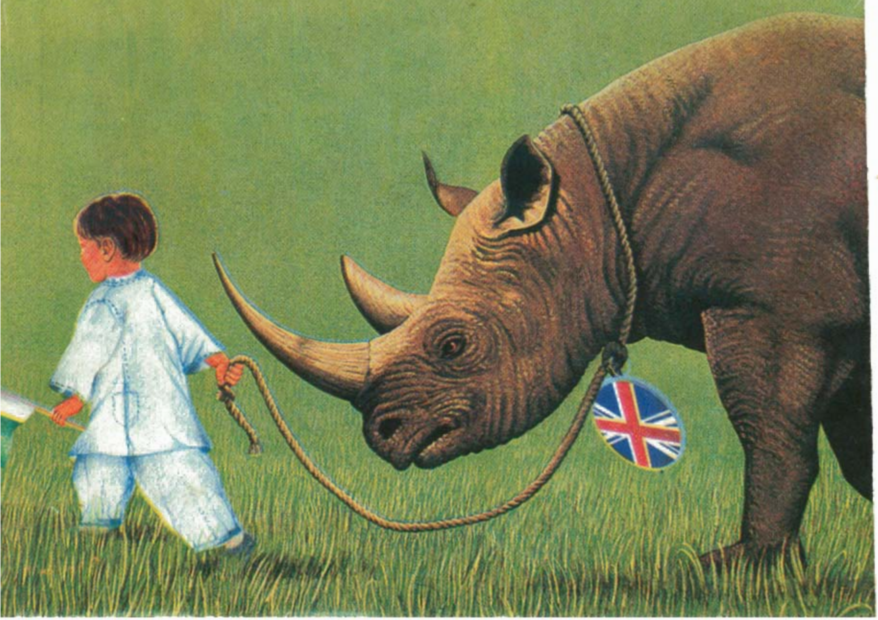

IMPORTED

QUICE

QUICE Lemon Lime

2 GREAT CANS

2 EXCITINGWAYS TO COOL DOWN & FRESHEN UP !

Quice Food Industries Ltd.
11/139, Jamaluddin Afghani Road, Near Bahadurabad
Karachi 75400 Pakistan **Ph : 4924814 -15 Fax :(021)4947941**

This Magazine Comes To You From
Classic Book Gallery
73-Main Boulavard Cavalary Ground,
LAHORE CANTT Ph: 6666...

UHU ایوہو کـــڈز کلـب

دنیا کی سب سے اچھی GLUE بنانے والی مشہور زمانہ جرمن کمپنی UHU (یوہو) نے قارئین آنکھ مچولی کے لئے پُرکشش CASH انعامات کا اعلان کیا ہے۔ درجِ ذیل سوالات کے درست جوابات ارسال کریں اور CASH انعامات حاصل کریں۔

پہلا انعام ــــــ 2 ہزار روپے نقد
دوسرا انعام ــــــ 1 ہزار روپے نقد
تیسرا انعام ــــــ 500 روپے نقد

ہر درست حل پر ایک UHU کی T. SHIRT

مقابلہ نمبر 2

1 نیلا اور پیلا رنگ ملائیں تو کون سا رنگ بنے گا؟
2 جنگ بدر کس سن ہجری میں ہوئی؟
3 قمیض پہنی کیوں نہیں گوشت کھایا کیوں نہیں... ان دو پہیلیوں کا جواب ایک ہے بتایئے تو؟
4 ع عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
اس شعر کا دوسرا مصرعہ مکمل کیجئے؟
5 پاکستان کے کس باکسر نے اولمپک ۱۹۸۸ء میں تمغہ حاصل کیا تھا اور کون سا؟

شرائط

1: جوابات کے ساتھ ایک عدد UHU stic پر لپٹا ہوا پلاسٹک ریپر ضرور بھیجیں۔ 2: ایک سے زائد حل کی صورت میں ہر حل کے ساتھ UHU ریپر بھیجنا لازمی ہے۔ 3: انعامات کا فیصلہ ایک سے زائد درست جوابات کی صورت میں قرعہ اندازی کے ذریعہ کیا جائے گا۔ 4: انعامات کا اعلان حتمی اور ناقابلِ چیلنج ہوگا۔ 5: تمام حل 15 ستمبر تک لازمی آنکھ مچولی کے پتے پر ارسال کریں۔ 6: خوش نصیب انعام یافتگان کا اعلان ستمبر کے شمارے میں کیا جائے گا۔

Don't Say GLUE — Say UHU®

معیار
ہر قیمت پر
نوّے سال سے رُوح افزا کا بلند معیار ہی
رُوح افزا کی مقبولیت کی اساس ہے
SHARBAT
ROOH AFZA
REGD.
HFP
HAMDARD FRUIT PRODUCTS
شربت روح افزا
ہمدرد لیبارٹریز (وقف) پاکستان
MADE IN PAKISTAN
PAKISTAN
مدینۃ الحکمۃ
تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں، اعتماد کے ساتھ
مصنوعات ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع
بین الاقوامی شہر علم و حکمت کی تعمیر میں لگ
رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔
راحتِ جاں رُوح افزا مشروبِ مشرق
ہمدرد

نئی نسل کے ادب کا بین الاقوامی معیار

ماہنامہ

آنکھ مچولی

کراچی

ربیع الاوّل / ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ اگست ۱۹۹۶ء

آڈٹ بیورو آف سرکولیشن سے تصدیق شدہ اشاعت
رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن پاکستان جلڈرنز میگزین سوسائٹی

MEMBER APNS

مدیر اعلیٰ — ظفر محمود شیخ

منتظم اعلیٰ — تجمل حسین چشتی

مدیر اعزازی — ڈاکٹر طاہر مسعود

مجلس ادارت — محمد عمر احمد خان

منیجر اشتہارات — عمران احمد

تزئین — دانش اختر

مصوّر — سلمان خان

فون نمبر: ۳۹۳۲۸۵۷ ، ۲۹۳۸۲۱۰

ماہ نامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی۔

ماہ نامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی قرآن و حدیث پر مبنی تحریروں کے علاوہ کہانیوں کے کردار و واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا

ماہ نامہ آنکھ مچولی کو گرین گائیڈ اکیڈمی نے ضمیر الدین میموریل آرگنائزیشن کے زیرِ سرپرستی بچوں کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں میں اضافے اور سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ آنکھ مچولی، گرین گائیڈ اکیڈمی، ۱۰۷-پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

قیمت: ۱۸ روپے
۷ درہم ۷ ریال

ناشر: ظفر محمود شیخ - طابع: زاھد علی - مطبع: لاریب پرنٹنگ پریس ایم اے جناح روڈ کراچی

تو پھر ہو جائیے مقابلے کے لیے تیار

اِس لیے کہ

آنکھ مچولی کا مقابلہ نمبر

آرہا ہے

جنوری ۱۹۹۷ء کا شمارہ نِت نئے مقابلوں سے سج کر، آپ کی صلاحیتوں کو چیلنج کرتے ہوئے سینکڑوں انعامات کی نوید لیے جلوہ گر ہو رہا ہے

◎ مقابلہ کیا ہے ؟
◎ مقابلہ کیوں آخر ؟
◎ کس کس طرح کے مقابلے ؟
◎ یادگار مقابلے ؟
◎ انوکھے مقابلے ؟
◎ دلچسپ مقابلے ؟
◎ کھیل کے مقابلے ؟
◎ مقابلے کے امتحان ؟
◎ مقابلوں کی تاریخ ؟
◎ مقابلوں کی دُنیا ؟
◎ اور دُنیا بھر کے مقابلے لیے ہوئے

آنکھ مچولی
ایک ایسی دستاویز بن کر آئے گا جسے آپ حوالے کی کتاب کے طور سے محفوظ رکھیں گے !

تو پھر آپ بھی تیار ہو جائیے . . . . .

"مقابلہ نمبر" آپ کو مقابلے کی دعوت دیتا ہے

اپنی تحریریں، مشورے، تجاویز، تصاویر سب کچھ بھجوائیں ! ہم سراپا انتظار ہیں ـــ "ادارہ"

ماہ نامہ آنکھ مچولی ، ـــ انوکھے خیال ـ اچھوتی مثال

حسنِ ترتیب

سنہرے حروف	محمد سلیم امام	۸
ماہِ رواں کی پہلی بات	مدیر آنکھ مچولی	۹
حمدِ باری تعالیٰ	ضیغم حمیدی	۱۰
نعت رسولِ مقبولؐ	قاضی فضل	۱۱
حضورؐ کی خوش طبعی	سلیم شیخوپوری	۱۲
لڑکی کی فریاد	کمال احمد حاذم	۱۶
کسریٰ کے کنگن	محمد علی انصاری	۲۰
نیا سال (نظم)	نادرہ انصاری	۲۴
اُڑنے بھی نہ پائے تھے	محمد عادل منہاج	۲۵
دوا پیمی (نظم)	عبدالقادر	۳۲
اٹلانٹا اولمپک	ضیاء الرحمٰن ضیاء	۳۴
بارش کے بعد	مِس فرحین	۳۸
ڈیلی کیوں فرائی ڈے نہیں ہوتا (نظم)	نعیم مشتاق نومی	۴۴
ہمارے ناخن اور ان کی حفاظت	عظمیٰ مجید	۴۶
ہم نے کلینک کھولا	مجیب ظفر انوار	۴۸
بخیل (نظم)	شبیر بیگ ناز	۵۲
لطائف	لعل بخش	۵۳
اور ۔ ۔ ۔ ۔	ابنِ آس	۵۶
منافق (نظم)	محمد علی انصاری	۶۶
ایک کہانی اوٹ پٹانگ سی	قاضی فضل	۶۹
کوہِ البرز کے دامن میں	ابو محمد غازی	۷۴
ننھے بہادر سلام	شیخ عاکف حمید	۸۲
مرزا غالب سے انٹرویو	نائلہ صدیقی	۸۴
ناقابلِ فراموش	قارئین	۸۸
ایک چھوٹا سا بچہ (نظم)	انتخاب	۹۱
فقیر یا لوچی	الطاف حسین	۹۲
بنام آنکھ مچولی	قارئین کے خطوط	۹۷
صدائیں (نظم)	سیّد انیس احمد	۱۰۰
مقابلہ معلوماتِ عامہ	ادارہ	۱۰۲
ڈوڈو اسٹیٹ، مفید ایجاد	شرجیلہ تاشقین	۱۰۴

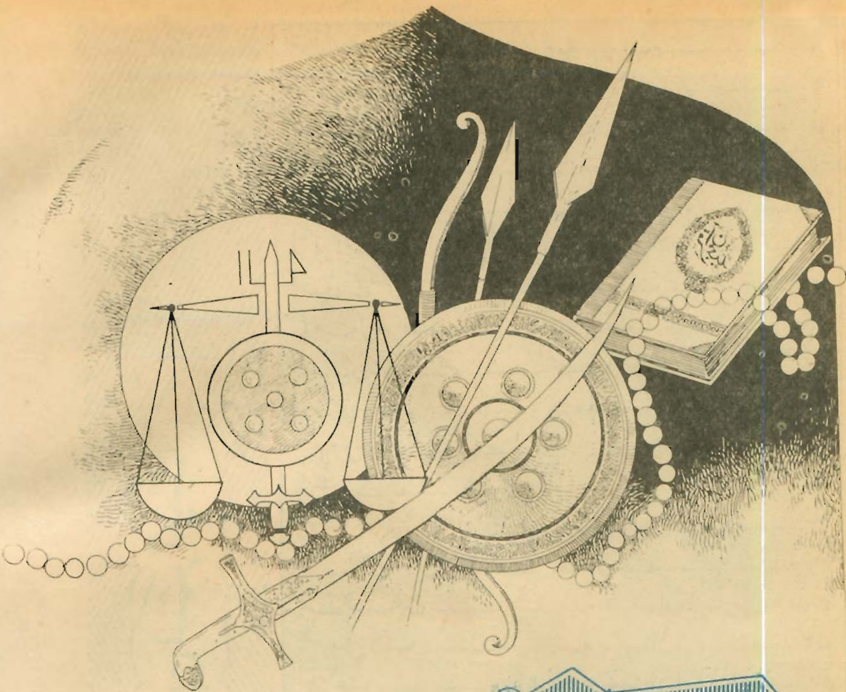

سنہرے حروف

ملک شاہ کے عہد میں سلجوقیوں کی طاقت بام عروج پر تھی ایک دن ملک شاہ طوس کی جامع مسجد میں نماز پڑھنے گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے باہر نکلا تو اس نے اپنے وزیر اعظم نظام الملک طوسی سے پوچھا۔ "آپ نے نماز کے بعد کیا دعا مانگی "

نظام الملک نے کہا۔ "میں نے دعا کی کہ آپ اپنے بھائی کے مقابلے میں فتحیاب ہوں۔"

ملک شاہ نے کہا "لیکن میں نے یہ دعا مانگی ہے کہ الٰہی مجھ میں اور میرے بھائی دونوں میں سے جو بھی رعایا کا اچھی طرح خیال رکھ سکے اور بہتر طریقے پر حکومت کر سکے اسے فتح نصیب کر۔"

محمد سلیم امام، متحدہ عرب امارات

ماہ رواں کی پہلی بات

ہر سال، اسی دن، اسی صبح، ایسی ہی ایک تقریب میں بچے مل کر گاتے ہیں،

یہ دیس ہمارا ہے اسے ہم نے سنوارا ہے
اس کا اک اک ذرہ ہمیں جان سے پیارا ہے

اور پھر صدر مملکت ان بچوں کے پاس جاتے ہیں، شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ صدر مملکت جانتے ہیں کہ جو کچھ گایا گیا ہے، اس میں بچوں کی معصومیت ہے، سچائی ہے اور دل کا درد ہے۔ لیکن جو کچھ گایا گیا ہے، وہ درست نہیں ہے۔

یہ دیس ہمارا نہیں ہے،

یہ دیس ہمارا ہوتا تو اس دیس کا یہ حال نہ ہوتا۔

یہ دیس ہمارا ہوتا تو ہم نے اسے سنوارا ہوتا، بگاڑا نہ ہوتا۔

یہ دیس ہمارا ہوتا تو ہم اسے مقروض اور مفلوج نہ بناتے، آزاد، خود مختار اور خوددار ملک بناتے۔

یہ دیس ہمارا ہوتا تو یہاں ہمارے ہی ہاتھوں قانون، اخلاق اور مذہب کے اصول پامال نہ ہوتے۔

یہ دیس ہمارا نہیں ہے، یہ دیس ان مٹھی بھر لالچی، خود غرض اور مفاد پرست لوگوں کا ہے جو اس دیس کا اور اس کے عوام کا خون چوس رہے ہیں۔ جن کے حرص و ہوس نے مستقبل پر تاریکی کے سائے پھیلا دیئے ہیں۔ یہاں تک کہ اب ہر ذہن میں یہی سوال ہے کہ "اس دیس کا کیا بنے گا؟"

یہ دیس ہمارا نہیں ہے، حالانکہ اسے ہم نے ہی بنایا تھا۔

یہ دیس ہمارا نہیں ہے، حالانکہ یہ ہمارے ہی لئے بنایا گیا تھا۔

جن ظالموں نے اس دیس کو اپنے قبضے میں کر رکھا ہے، ان کا اس دیس بنانے میں کوئی حصہ نہیں تھا، ان کی تو اس دیس کی آزادی میں نکسیر تک نہ پھوٹی تھی لیکن آہ! کہ آج وہی اس دیس کے مالک بنے بیٹھے ہیں اور ان کے جبر و ظلم کے سائے تلے ہر طرف غربت ہے، مہنگائی ہے، لوٹ مار ہے، بدعنوانی ہے اور وہ سب کچھ ہے جو کسی آزاد دیس کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ لیکن جب اندھیرا بڑھ جاتا ہے تو ماچس کی ایک تیلی بھی اس اندھیرے کا سینہ چیر کر رکھ دیتی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب اس دیس کے بیٹے اپنے دیس کو واپس لے لیں گے۔ اس کے افق پر ایک نئی صبح طلوع ہوگی۔ ایک ایسی صبح جب اللہ کی رحمت کے سائے تلے اس دیس کی تعمیر نو کا آغاز ہوگا اور جب ایسا ہو جائے گا تب ہر سال کی طرح ایسی ہی نئی اور چمکیلی صبح کو ایسی ہی ایک تقریب میں بچے گایا کریں گے۔

یہ دیس ہمارا ہے اسے ہم نے سنوارا ہے

تب یہ گیت سننے والے کہیں گے۔

ہاں یہ سچ ہے۔ یہ دیس واقعی ہمارا ہے اور دیکھو تو ہم نے اسے کیسا اچھا سجایا ہے۔

—— مدیر آنکھ مچولی ——

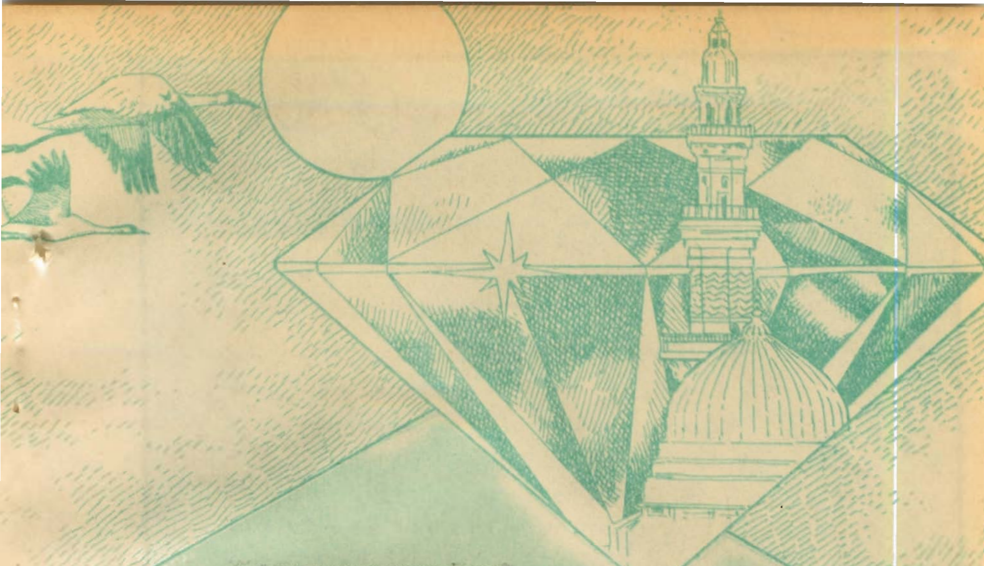

حمد باری تعالیٰ

ضیغم حمیدی

تو اگر دے مجھے توفیق خدایا لکھوں
میں گنہگار تری حمد و ثنا کیا لکھوں
ذرّے ذرّے پہ ہے دُنیا میں حکومت تیری
نام نامی میں ترا کیوں نہ ہر اک جا لکھوں
صبر اور شُکر کی دولت سے نوازا تو نے
قطرہ مل جائے تو اس کو بھی میں دریا لکھوں
تو کہ اچھی طرح واقف مرے احوال سے ہے
کیا ترے نام بہ احوالِ تمنا لکھوں
تو نے ضیغم کو نوازا ہے ہر اک نعمت سے
ان گنت ہیں تیرے اوصاف میں کیا کیا لکھوں

نعت رسول مقبول ﷺ

ہر اک مقام سے ہے
اونچا مقام ان کا
صادق ہیں وہ امیں ہیں
احمد ہے نام ان کا
اسلام بن کے پہنچا
گھر گھر پیام ان کا
کلمہ پڑھے مسلمان
ہر صبح و شام ان کا

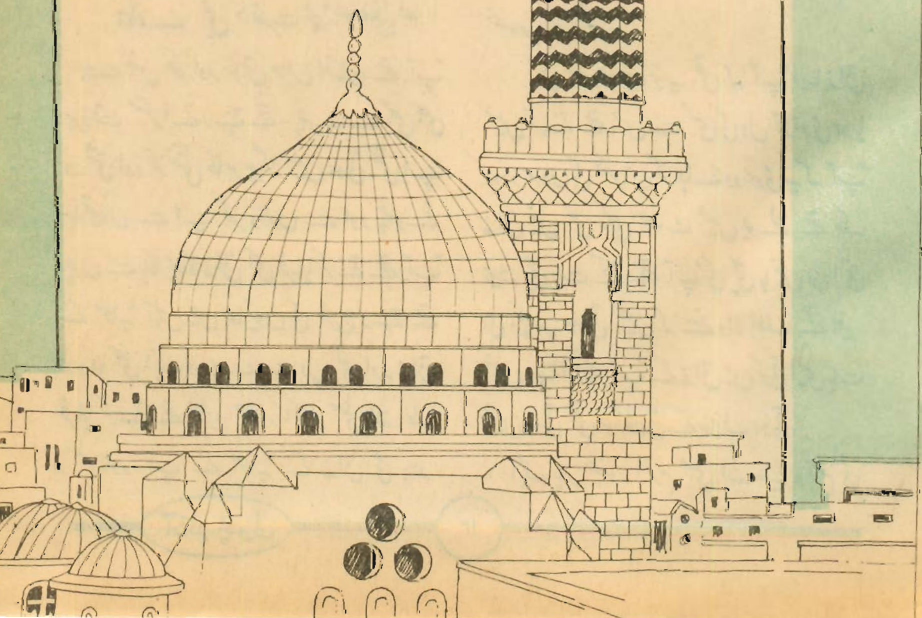

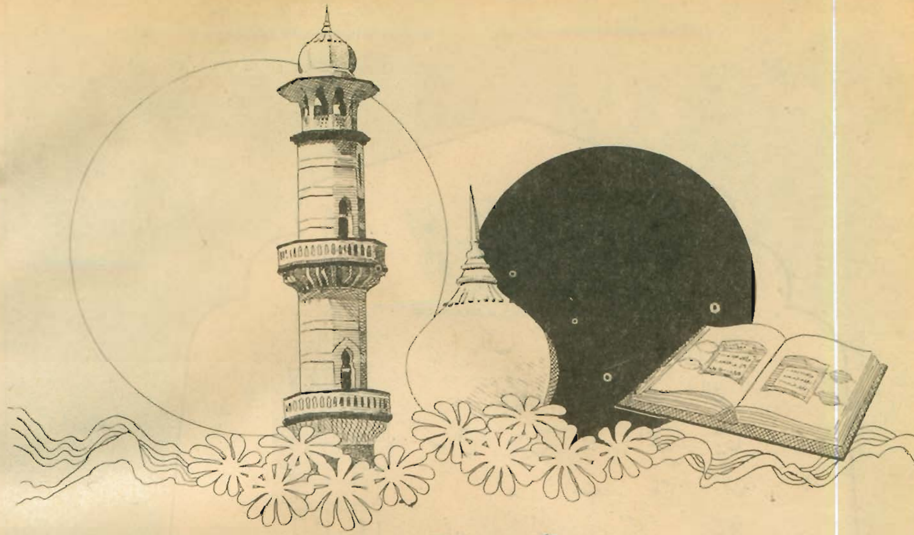

حضور اکرمؐ کی خوش طبعی

م ـــ محمد سلیم شیخوپوری

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ص
بڑے ہنس مکھ اور خوش مزاج انسان تھے۔ آپؐ ہر وقت مسکراتے رہتے تھے۔ چہرے سے کبھی بھی درشتی اور کرختگی ظاہر ہرگز نہیں ہوتی تھی۔ اپنے ساتھیوں سے اپنے گھر والوں سے اور چھوٹے بچوں سے ہلکا پھلکا مذاق بھی فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ کے صحابہؓ آپس میں بھائیوں کی طرح رہتے تھے اور وہ بھی ایک دوسرے سے دل لگی اور مذاق فرمایا کرتے تھے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کے مذاق کی چند خصوصیات تھیں۔

پہلی خصوصیت تو یہ تھی کہ آپؐ ایسا مذاق نہیں کرتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری ہو یا وہ دوسروں کی نظر میں گر جائے دوسری یہ کہ آپؐ مذاق میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے بلکہ ہمیشہ سچی بات کہتے تھے۔ آپؐ کی سچی باتیں ہی اتنی ہی دلچسپ ہوتی تھیں کہ سننے والا لطف لئے بغیر نہیں رہتا تھا پھر آپؐ کے مذاق میں کوئی ایسی بات نہیں ہوتی تھی جو اخلاق کے خلاف ہوتی۔

ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں ایک بوڑھی عورت "ام زبیر" حاضر ہوئیں اور درخواست کی کہ "یا رسول اللہ! میرے لئے دُعا کیجئے کہ مرنے کے بعد اللہ مجھے جنّت میں جگہ دے" آپؐ نے فرمایا بوڑھی عورتیں جنّت میں نہیں جائیں گی" بڑھیا یہ جواب سُن کر پریشان ہوگئی اس کی زندگی کی توسب سے بڑی آرزو ہی یہی تھی کہ مرنے کے بعد اسے جنّت میں ٹھکانہ مل جائے چنانچہ اس نے پوچھا "کیوں بوڑھی عورتوں نے کیا کیا ہے کہ وہ جنّت میں نہیں جائیں گی" آپؐ نے فرمایا "کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جنت والیوں کو جوان بنادیں گے تو پھر بوڑھی عورتیں وہاں کیسے جاسکتی ہیں۔"

آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھی عورتوں کو بھی جوان بنا کر جنت میں داخل کیا جائے گا مگر مذاق کے طور پر آپؐ نے یہ بات اس طرح فرمائی کہ اس کا مطلب سمجھنے میں ام زبیر کو مغالطہ ہوا اور بات دلچسپی کا رنگ اختیار کرگئی۔

حضرت انسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، آٹھ برس تک انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی چونکہ وہ نو عمر تھے اس لئے آپؐ ان کو خوش رکھنے کے لئے چھوٹے موٹے مذاق کرتے رہتے تھے، ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "اے دو کانوں والے" یوں ہر شخص کے دو کان ہوتے ہیں لیکن حضرت انسؓ کے کان کچھ لمبے تھے اس لئے آپؐ نے دل لگی کے طور پر انہیں "دو کانوں والے" فرمایا۔

یہی حضرت انسؓ بتاتے ہیں کہ ایک مسافر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کے لئے اونٹ کی سواری مانگی۔ آپؐ نے فرمایا میں تیری سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا وہ کہنے لگا میں بچہ لے کر کیا کروں گا اونٹنی کا بچہ مجھے کیا اٹھائے گا؟ آپؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اونٹ بھی تو اونٹنی ہی کا بچہ ہوتا ہے۔"

حضرت ابوھریرہؓ کو بلیوں سے بڑی محبت تھی انہوں نے ایک بلی پال رکھی تھی جس سے وہ بے حد پیار کیا کرتے تھے عربی زبان میں ھرۃ بلی کو کہتے ہیں اور ھریرۃ چھوٹی سی بلی کو کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابی کو جب بلی سے اس قدر پیار کرتے دیکھا تو آپؐ نے ہنسی سے ان کو "ابوھریرہ" (بلّی کا باپ) فرمایا پھر یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ لوگ ان کا اصل نام بھول گئے اور آج تک ان کو ابوھریرہ ہی کہا جاتا ہے ایک شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا بتاؤ تمہارے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگتی ہے۔

وہ سیدھا سادہ آدمی تھا سر جھکا کر سوچنے لگا آپؐ اس کی سادگی دیکھ کر مسکرانے لگے اور فرمایا "کیا

تمہیں تمہاری ماں یاد نہیں رہی۔"
ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔آپؐ نے اس سے اس کے شوہر کے متعلق پوچھا اس نے اپنے شوہر کا نام بتایا آپؐ نے فرمایا "اچھا وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے" عورت خاموش ہو گئی مگر کچھ پریشان ہو گئی جب وہ گھر پہنچی تو اپنے شوہر کی آنکھوں کو غور سے دیکھنے لگی اس کے خاوند نے کہا "تجھے کیا ہو گیا ہے جو اتنے غور سے میری آنکھوں میں دیکھ رہی ہے" عورت کہنے لگی "مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے بارے میں پوچھا تھا میں نے جب تمہارا نام بتایا تو حضور صلی علیہ وسلم نے فرمایا "اچھا وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے" یہ سُن کر اس نے کہا کہ "اللہ کی بندی سفیدی کس کی آنکھوں میں نہیں ہوتی۔"

زاہر نامی ایک سیدھے سادے صحابی تھے شکل و صورت بھی کچھ اچھی نہ تھی وہ گاؤں میں رہتے تھے اور آپؐ کے لئے اکثر گاؤں کی چیزیں بطور تحفہ لایا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ان سے بڑی محبت تھی گاؤں کی چیزوں کے بدلے میں آپؐ ان کو شہر کی چیزیں دیا کرتے تھے ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا "زاہر ہمارا جنگل ہے اور ہم اس کے شہر ہیں" ایک دن بازار میں بیٹھ کر وہ گاؤں کی چیزیں بیچ رہے تھے کہ حضور صلی علیہ وسلم پیچھے سے آئے اور چُپکے سے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیئے' زاہر پہلے تو بہت پریشان ہوئے کہ یہ کون ہے مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو وہ محبت سے اپنی کمر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ملانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا یہ غلام کون خریدتا ہے؟ زاہر کہنے لگے آپؐ کو گھاٹا ہو گا کیونکہ میں بہت کم قیمت ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مگر اللہ کے ہاں تو تمہاری بڑی قیمت ہے۔"
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا مطلب یہ تھا کہ اگرچہ سادگی اور بدصورتی کی وجہ سے لوگ تمہیں زیادہ پسند نہیں کرتے مگر ایمان دار اور سچا اور شریف ہونے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک تمہارا مقام اور مرتبہ بہت اونچا ہے۔
غزوہ تبوک کے موقع پر رسول مقبولؐ ایک چھوٹے سے خیمہ میں تشریف فرما تھے حضرت عوف بن مالکؓ آئے اور انہوں نے آکر سلام عرض کیا آپؐ نے سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا "اندر آجاؤ" انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ کیا پورا اندر آجاؤں" آپؐ نے فرمایا "ہاں پورے آجاؤ۔"
ایک دفعہ ایک صحابی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ "اے اللہ کے رسولؐ مجھے ایک دن میرے

بت نے بہت نفع دیا سب حیران ہوگئے کہ بت کسی کو کیا نفع پہنچا سکتا ہے وہ تو خود محتاج ہوتا ہے۔

حضورؐ نے پوچھا "تمہارے بت نے تمہیں کیا نفع پہنچایا؟" اس صحابی نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میں زمانہ جاہلیت میں سفر پر جارہا تھا میں نے اپنی بیوی سے کہا مجھے کوئی چھوٹا سا بت دے دو تاکہ راستہ میں اس کی عبادت کرسکوں' اتفاق سے اس وقت گھر میں کوئی بھی چھوٹا بت نہیں تھا چنانچہ میری بیوی نے مجھے آٹے کا ایک بت بنا کر دے دیا میرا سفر بہت لمبا تھا راستے میں میرا کھانے کا سامان بالکل ختم ہوگیا میں نے بت کے سامنے سجدہ کرکے اس سے کھانا مانگا مگر مجھے کچھ نہیں ملا میں بہت پریشان ہوگیا مجبوراً میں بت توڑ کر کھا گیا مجھے بت نے یہی فائدہ دیا۔"

یہ بات سُن کر حضورؐ اور آپؐ کے صحابہؓ مُسکرانے لگے۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی مدینہ منورہ میں آیا اس نے اونٹنی کو باہر باندھا اور خود حضورؐ کے پیچھے نماز ادا کی۔نماز سے فارغ ہو کر وہ اونٹنی پر سوار ہوا اور بلند آواز میں اس نے یہ کہا "اے اللہ صرف مجھ پر اور حضورؐ پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی اور پر رحم نہیں فرمانا۔" اس کی یہ عجیب دعا سن کر حضورؐ مُسکرانے لگے اور صحابہؓ سے فرمایا "تم اس دیہاتی اور اس کے اونٹ میں سے کسے زیادہ بیوقوف کہو گے" حضورؐ کی لطافت پر صحابہؓ کرامؓ بھی مُسکرانے لگے۔

حضرت حسینؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی ایک دن انہوں نے اونٹ پر سوار ہونے کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ نے فرمایا "میں ہی تمہارا اونٹ بن جاتا ہوں۔" حضورؐ نے ان کو کاندھوں پر بٹھالیا اور اِدھر سے اُدھر چکر لگانے لگے' حضرت حسینؓ نے فرمایا "اونٹ کی تو مہار ہوتی ہے مگر میرے اونٹ کی کوئی مہار نہیں۔" اس پر حضورؐ نے اپنے سر کے لمبے لمبے بال ان کے ہاتھ میں دے دیئے کہ یہ مہار ہے' یہ سب کچھ ہورہا تھا کہ اسی حالت میں حضرت عمرؓ تشریف لے آئے اور حضرت حسینؓ سے کہا کہ "بھئی تمہیں سواری خوب ملی ہے" حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ "سوار بھی تو خوب ہے۔"

بچو! تم نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کتنے خوش مزاج تھے۔ان کی باتوں میں کتنی لطافت اور ظرافت ہوتی تھی مگر ان کے مذاق میں پھکڑپن نہیں تھا نہ وہ جھوٹ بولتے تھے نہ بُری بات کرتے تھے نہ کسی کا دل دُکھاتے تھے اور نہ ہی لوگوں کے سامنے کسی کو ذلیل کرتے تھے ہمیں ایسے ہی پاکیزہ مذاق کرنے چاہئیں۔

ایک لڑکی کی فریاد

کمال احمد حازم

پُرانے زمانے کی بات ہے، ایران میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا عدل و اِنصاف دور دور تک مشہور تھا۔ اس نے اپنے محل کے دروازے پر ایک صندوق رکھوا دیا تھا۔ جس میں رعایا اپنی شکایتیں اور تکلیفوں کی عرضیاں لکھ کر ڈال دیا کرتی تھی۔ بادشاہ روزانہ اس صندوق کو کھلواتا اور ان عرضیوں پر غور کرتا اور پھر اپنی رعایا پر ہونے والی تکلیفوں اور پریشانیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ.... اس کی رعایا اس سے بہت خوشی تھی۔ جہاں اس کا پسینہ گرتا تھا وہاں اس کی رعایا اپنا خون بہانے کے لئے تیار رہتی تھی۔

ایک دن جب صندوق کو کھولا گیا تو صندوق میں جمع ہوئی عرضیوں کے ساتھ ایک عرضی کسی لڑکی کی لکھی ہوئی تھی- اس عرضی میں لڑکی نے بادشاہ کو بڑا..... عادل بتایا اور بڑے اچھے انداز میں اس کے انصاف کی تعریف کی تھی اور بادشاہ کے روبرو اپنی فریاد بیان کرنے کی اجازت مانگی تھی- اس عرضی کو پڑھ کر بادشاہ مُتاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا، فوراً" لڑکی کو اپنے دربار میں بُلوانے کا حکم صادر فرمایا- کچھ دیر بعد ہی پھٹے پُرانے کپڑوں میں ملبوس اوپر سے ایک میلا برقع اوڑھے ہوئے وہ لڑکی دربار میں حاضر ہوئی- اس نے بادشاہ کو شاہی ڈھنگ سے آداب کیا اور دست بستہ کھڑی ہو گئی ...... بادشاہ نے اس کی طرف دیکھا اور کہا-

"لڑکی ہم تمہارے خط سے بہت خوش ہوئے- جس ڈھنگ اور شاہی آداب و خیال کو مدِ نظر رکھ کر تم نے یہ عرضی لکھی ہے- ہم اس سے بہت مُتاثر ہوئے ہیں- ہم تمہیں کچھ انعام دینا چاہتے ہیں ... بولو تمہیں کیا چاہئے.....؟"

"جہاں پناہ گستاخی معاف ہو، خدا کا دیا سب کچھ ہے- اس پر بھی حضور مجھ پر اتنے ہی خوش ہیں، تو کنیز کی ایک درخواست ہے کہ میں......!" لڑکی کچھ اور کہتے کہتے رُک گئی-

"ڈرو نہیں لڑکی، جو کہنا ہے بغیر کسی خوف و جھجک کے کہو ہم تمہاری فریاد سُن کر اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے ......" بادشاہ نے لڑکی کو ہمّت دلائی-

"جہاں پناہ!..... میں ایک شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں، مگر وہ مجھ سے شادی کرنے سے صاف اِنکار کرتا ہے-" بادشاہ سلامت اس لڑکی کی فریاد سُن کر سوچ میں ڈوب گئے- "ہو سکتا ہے یہ لڑکی بدصورت ہو یا اس کی ایک آنکھ نہ ہو یا پھر جس طرح اس کی آواز کوئل کی طرح میٹھی ہے، شاید اس کا رنگ بھی کوئل جیسا ہو......!" بادشاہ انہی سوالوں میں اُلجھا رہا آخر اس نے لڑکی کو نقاب اُلٹنے کا حکم دیا-

"بادشاہ تو باپ کی جگہ ہوتے ہیں-" یہ سوچ کر بغیر کسی جھجک کے لڑکی نے اپنا نقاب اُلٹ دیا اور بادشاہ نے اس کا چہرہ دیکھا تو اسے لگا جیسے چودہویں کا چاند زمین پر اُتر آیا ہو، بادشاہ نے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا "کون ہے وہ بدنصیب، جو تم سے شادی کرنے سے انکار کرتا ہے؟"

لڑکی نے اس شخص کا نام اور پتہ بادشاہ کو بتاتے ہوئے کہا "جہاں پناہ وہ کبھی ہاں نہیں کرے گا- طرح طرح کے بہانے بنائے گا اور جھوٹ بولے گا-"

"تم بے فکر رہو لڑکی ہم اس کی ایک نہ چلنے دیں گے..... اور ہم تمہاری خواہش کے مطابق

اس کے ساتھ تمہاری شادی کریں گے ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں۔"

بادشاہ کی زبان سے ایسے کلمات سُن کر لڑکی بہت خوش ہوئی۔ بادشاہ نے اس شخص کو بُلوالیا۔ وہ شخص نہایت خوبصورت اور کم عمر نوجوان تھا۔ بادشاہ نے اس کا نام پتہ جان کر اس سے کہا "اے نوجوان! کیا تم اس لڑکی سے شادی کرنے سے اِنکار کرتے ہو؟" بادشاہ کا یہ سوال سُن کر پہلے تو وہ خوبصورت نوجوان گھبرایا مگر دوسرے ہی لمحے سنبھل کر بولا "جہاں پناہ!' یہ تو میری بہن ہے ..... حقیقی بہن ..... بھلا میں اس سے کیسے شادی کر سکتا ہوں؟" بادشاہ کو یاد تھا کہ اس لڑکی نے کہا تھا کہ "وہ کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور بنائے گا۔"

"تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ تمہاری حقیقی بہن ہے؟ تمہیں اس بات کا ثبوت ابھی اور اسی وقت دینا ہوگا۔" بادشاہ نے کرخت لہجے میں کہا۔

"عالم پناہ میں اس بات کا ثبوت ابھی پیش کئے دیتا ہوں مگر مجھے دو گھنٹے کی مہلت چاہئے۔" نوجوان کو دو گھنٹے کی مہلت دے دی گئی۔ وہ سپاہیوں کی نگرانی میں اپنے گھر گیا اور دو گھنٹے بعد وہ خوبصورت نوجوان اپنے محلّے کے دو تین بزرگوں کو دربار میں لے آیا۔ ان بزرگوں نے بادشاہ کے پوچھنے پر اس نوجوان کے بیان کی تصدیق کردی۔ اب بادشاہ نے لڑکی کی طرف دیکھا کہ وہ کچھ اور کہنا چاہتی ہے لیکن کچھ دیر لڑکی خاموش رہی پر اس نے بھّرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جہاں پناہ' ملاحظہ فرمایئے اب سے چھ ماہ پیشتر ان ہی بزرگوں نے اسی دربار میں حضور کے روبرو حلف اُٹھا کر کہا تھا کہ "میں اس نوجوان کی بہن نہیں ہوں' کیونکہ اس وقت جائداد کا جھگڑا تھا۔ میرا باپ لاکھوں روپوں کی جائداد چھوڑ کر مرا تھا۔ اس میں میرا بھی برابر کا حصّہ ہے۔ لیکن میرے بھائی نے ایک پائی تک نہ دی اور جب میں نے حضور کا دروازہ کھٹکھٹایا تو انہی بزرگوں نے قسم کھا کر مجھے اس کی بہن ہونے سے اِنکار کردیا تھا اور آج یہی بزرگ پھر جھوٹے گواہ بن کر مجھے اس کی بہن بتا رہے ہیں۔"

لڑکی کی بات سُن کر دربار میں سناٹا چھا گیا۔ حاضرینِ دربار لڑکی کی عقل مندی پر حیران رہ گئے' جبکہ جھوٹے گواہوں اور نوجوان بھائی کے ہوش اڑ گئے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اسی وقت اس نے لڑکی کو اس کے حق کا حصّہ دلوا دیا اور شاہی خزانے کی طرف سے انعام سے الگ نوازا جبکہ بہن کا حق غصب کرنے پر بھائی اور جھوٹی گواہی دینے پر بزرگوں کو سات سات سال قیدِ با مشقت کی سزا سنا دی گئی!!

کیا آپ بتا سکتے ہیں؟

شبنم عمر

کیا آپ کو "کنساس" کی کوئی کہانی یاد ہے؟ نہیں یاد!
چلیے آپ صرف یہ بتا دیجیے "کنساس" نامی شہر
کس ملک میں واقع ہے؟

آپ "خلا" کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہیں...
خلائی جہاز "خلا" میں کیوں بھیجے جاتے ہیں؟

سائیکل یا موٹر سائیکل چلانے سے پہلے کیا کیا
احتیاطیں ضروری ہیں...

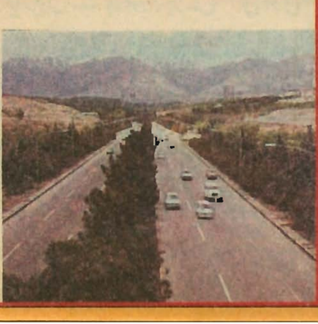

افوہ گڑیا! آپ کا دانت تو ہل رہا ہے، میٹھا بہت
کھاتی ہیں شاید آپ؟ یہ بتائیے! ڈاکٹرز روزانہ دانتوں
کو دو وقت (صبح شام) برش کرنے کو کیوں کہتے ہیں؟

کسریٰ کے کنگن

محمد علی انصاری

قبائلِ عرب مشترکہ محاذ پر آج کی شکستِ فاش سے رہبرانِ کُفّار تلملا کر رہ گئے تھے۔ ہزار تیاریوں کے باوجود زہر میں بُجھی ہوئی تلواروں کو خون حاصل نہ ہوسکا تھا۔ غصّہ کی جھنجھلاہٹ کے ساتھ ساتھ شدید حیرت نے بھی ہر ایک کو گھیرا ہوا تھا۔ سب کا دماغ اس گتھی کو سُلجھانے سے قاصر تھا کہ اتنے بڑے لشکر کے ہاتھوں سے محمدؐ کس طرح بچ نکلے۔ فوری طور پر دارالندوہ میں ہونے والی ہنگامی مجلس میں ایک فیصلہ کیا گیا۔ اور مکے کی گلیوں میں منادی کرادی گئی کہ جو محمدؐ کو گرفتار کرکے لائے گا اسے سو سُرخ اونٹ بطورِ انعام پیش کئے جائیں گے۔ "سراقہ" مکے کے ایک نامور شہسوار تھے ان تک یہ خبر پہنچی تو انعام کے لالچ میں اس مہم کو سر کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ فوراً ہی اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور مدینے کے راستے پر ڈال دیا در

گھوڑا سرپٹ دوڑاتے ہوئے آن کی آن میں نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

کچھ دور چلنے کے بعد انہیں مدینے کے راستے پر دو سائے سے دکھائی دیئے۔ خوشی سے چہرہ چمک اُٹھا اور سُرخ اونٹوں کی قطار تصوّر میں رینگنے لگی۔ فرطِ مسرّت میں گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور ذرا سی دیر میں ان تک پہنچ گئے۔ رسولِ خداؐ اپنے رفیقِ خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مدینے کی طرف محوِ سفر تھے۔ سراقہ نے جیسے ہی کمند ڈالنے کے لئے قدم بڑھائے۔ فضا ایک رعب دار آواز سے گونج اُٹھی۔ "اے زمین اسے پکڑو۔" رسول خدا کا حکم سُنتے ہیں زمین کا کلیجہ شق ہوگیا۔ اور سراقہ گھوڑے سمیت زمین میں دھنس گئے۔ ہزار کوششوں کے باوجود بھی جب خود کو زمین سے نہ چھُڑا سکے تو نہایت عاجزانہ لہجے میں رسولِ خداؐ سے رحم کی درخواست کی۔ آپؐ نے درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور زمین سے فرمایا۔ "اچھا اب اسے چھوڑ دے!" ارشاد سُنتے ہی زمین کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور گھوڑا تڑپ کر باہر نکل آیا۔ سراقہ جب واپس پلٹ رہا تھا۔ تو احساسِ شکست سے دل ڈوبا جارہا تھا۔ ابھی میل دو میل کا فاصلہ ہی طے ہوا تھا کہ حرص کا شیطان دل پر مسلّط ہوگیا۔ قریب کی راہ سے آواز آئی کہ یہ واقعہ اتفاقاً" پیش آگیا ہے۔ اس میں محمدؐ کی پیغمبرانہ شان کا کوئی دخل نہیں ایک مرتبہ پھر سُرخ اونٹ ذہن پر چھاگئے۔ فوراً" واپس مڑے، گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور ایک مرتبہ پھر برق رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سرکارؐ کے قریب پہنچ گئے۔ اس بار پھر لبوں کو جنبش ہوئی اور دھرتی کا کلیجہ شق ہوگیا اور پھر سے سراقہ زمین میں دھنس گئے۔ مجبور ہو کر رحمتِ اکرم کو پکارا اور ایک مرتبہ پھر آزاد ہوگئے۔ اس مرتبہ آپؐ کی پیغمبرانہ شان کا قائل ہونا ہی پڑا۔ سراقہ کے ذہن میں بار بار یہی خیال گردش کرنے لگا کہ ایک نیازمند کے لئے زمین کی فرمانبرداری بلاوجہ نہیں۔ محمدؐ کا خدائے کائنات کے ساتھ کوئی تعلق ضرور ہے لیکن نفس کے شیطان نے مزید سوچنے کی مہلت نہ دی، سراقہ ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے، شیطان نے سرگوشی کی۔ "ارے بیوقوف محمدؐ اتنے ہی صاحب اقتدار ہوتے تو کسی مجبور کی طرح مکے سے مدینے کیوں ہجرت کرتے۔؟ خیالی ہیبت کے آگے ہتھیار ڈال دینا بہادروں کا شیوہ نہیں۔ سوٗ سرخ اونٹ تمہاری تقدیر بدل کر رکھ دیں گے۔ واپس پلٹو۔" بالآخر سراقہ شیطان کے فریب کا شکار ہوگئے۔ پھر تیزی کے ساتھ واپس پلٹے۔ پھر آپؐ کے لبوں کو جنبش ہوئی پھر زمین کا دہانہ کھُلا اور سراقہ کسی بے بسی پنچھی کی طرح سسکنے لگا۔ بار بار کی تنبیہہ کے باوجود سراقہ کی آنکھیں

نہ کھلیں تو آپؐ نے خود ہی دل آویز تبسم کے ساتھ فرمایا! سُرخ اونٹوں کے فریب میں خود سے اور تقدیر سے کیوں لڑ رہے ہو؟ تمہارا مستقبل مجھ سے اوجھل نہیں جس کی زلفوں کا اسیر بن کر رہنا تمہارا مقدر ہے اسی کو قتل کرنے آئے ہو گیا۔ اب بھی کُفر کی پٹی آنکھوں سے نہیں ہٹی؟ میں کھُلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ کسریٰ کے سونے کے کنگن تمہارے ہاتھوں میں چمک رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب قسمت کی بُلندی تمہیں میرے آگے کسی دیوانے کی طرح لا کھڑا کرے گی۔ اور تمہارا سینہ ایمان کی روشنی سے اس طرح منوّر ہوجائے گا کہ لوگ تم پر رشک کریں گے۔" پیغمبرِ صادق کے لبوں سے نکلے ہوئے یہ الفاظ سراقہ کے دل میں اُتر گئے۔ وہ واپس پلٹ پڑے اس واقعے کے کچھ عرصے بعد سراقہ کی دُنیا نورِ اسلام سے منوّر ہو گئی۔ اور وہ مدینے پہنچ کر شمعَ رسالتؐ کے پروانوں میں شامل ہو گئے۔ کلائیوں میں کسریٰ جیسے جابر و عظیم فرمانروا کے کنگن پہننے کا یقین تو دل کی دھڑکنوں کے ساتھ منسلک ہو کر رہ گیا تھا۔ جس رسولِؐ برحق نے جبرئیل و میکائیل، عرش و فرش، لوح و قلم، جنت و دوزخ اور حشر و نشر کی خبر دی تھی، اس رسولؐ نے کنگن پہننے کی بھی خوشخبری عطا کی تھی۔ زندگی کے دن اسی انتظار میں گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافتِ فاروقی کے عہدِ زرین میں حضرت سراقہ سخت بیمار پڑ گئے۔ علالت اس حد تک سنگین ہو گئی کہ صحابہ کرامؓ آپ کے اِرد گِرد جمع ہو گئے۔ ابھی وہ سراقہؓ کو آخری سلام کہنا ہی چاہتے تھے کہ حضرت سراقہؓ نے آنکھیں کھول دیں اور نقاہت کے باوجود مُسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ حضرات اطمینان رکھیں یہ میرا آخری وقت نہیں ہے مجھے موت اس وقت تک نہیں چھُو سکتی جب تک میں اپنے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن نہیں پہن لوں گا۔ دنیائے فانی کی ہر شے اپنی جگہ سے ٹل سکتی ہے لیکن سرکارِ رسالتؐ کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا سراقہؓ موت کے چُنگل سے نکل آئے اور تھوڑی ہی مدت میں بالکل صحتیاب ہو گئے۔

☆ --- ☆ --- ☆

آج مدینے میں ہر طرف مسرّت و شادمانی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ مُسلمانوں کی پیشانیاں اپنے رب کے حضور جُھکی ہوئیں تھیں۔ سپیدۂ سحر نمودار ہوتے ہی لشکرِ اسلامی کا قاصد فتح ایران کی خوشخبری لے کر حاضر ہوا۔ محمدؐ کے غلاموں نے دُنیا کی سب سے بڑی باطل قوت کو اپنے پیروں تلے روند ڈالا تھا۔ آج کسریٰ کے ایوانوں پر عظمتِ اسلامی کا پرچم بڑی شان سے لہرا رہا تھا۔ حق کی سطوت و جبروت کے آگے باطل کا اقتدار چکنا چور

ہو گیا تھا۔ چند ہی دنوں کے بعد ایران سے مال غنیمت سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطار مدینے پہنچی تو کسریٰ کے محل کا سازو سامان دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ مسجدِ نبویؐ کے فرش پر سارا مالِ غنیمت بکھیر دیا گیا۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے کسریٰ کے کنگن دریافت کئے۔ تلاش کے بعد جب وہ مل گئے تو حضرت سراقہؓ کو آواز دی۔ اس وقت حضرت سراقہؓ کا عالم قابلِ دید تھا، ناز سے جھوم رہے۔ فرطِ مسرّت سے چہرہ کِھلا جارہا تھا، آنکھوں میں آنسوؤں لئے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آج ان کی زندگی کی محبوب ترین گھڑی آگئی تھی۔ جس آرزو کو ساری عمر سینے سے لگائے رکھا وہ پوری ہورہی تھی۔ عاشقانِ محمدؐ اپنے آقا کا ایک زندہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اُڑتے ہوئے خوشی کے آنسوؤں میں حضرت عمرؓ نے سراقہؓ کی کلائیوں میں کسریٰ کے کنگن پہنادیئے، سر پر تاج رکھا اور شاہی قبا زیب تن کرائی۔ حضرت سراقہؓ کی شاہانہ سج دھج نے اہلِ مدینہ کے جذبات کو بے قابو کردیا اور فرط مسرت سے ہر ایک کی آنکھوں نے اشک برسانے شروع کردیئے۔ فاروقِ اعظم حضرت عمرؓ عشق ایمان کی رقت انگیز کیفیت سے بے خود ہوگئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا! "اس وقت کی بات ہے جب اسلام بے سروسامانی کے عالم میں تھا۔ ایک یزدانی مسافر نے آج عظیم الشّان فتح کی خبردی تھی۔ کل میدانِ قیامت میں آپ حضرات گواہ رہیے گا کہ سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن پہنا کر میں نے اپنے آقا کا فرمان پورا کردیا ہے!!"

کیا آپ تمیں اسٹیکرز کا آرڈر دے چکے ہیں؟

اگر آپ نے ادارہ آنکھ مچولی کو دعاؤں کے اسٹیکرز کا سیٹ منگوانے کے لیئے آرڈر نہیں دیا تو یہ کام پہلی فرصت میں کرلیجئے۔ کیونکہ اسٹیکرز کے نئے سیٹ چھپ کر آچکے ہیں۔ دیدہ زیب طباعت۔ وقت کی ضرورت۔

۱۲ اسٹیکرز کا ھدیہ..... صرف =/۳۶ روپے

منگوانے کا پتا:

سرکولیشن منیجر: ماہنامہ آنکھ مچولی I۔پی آئی بی کالونی، کراچی ۵۔ فون 4942857 4948210

نیا سال آیا یہ ہم کو بتانے

نادرہ انصاری

> مُسلمانوں کا نیا سال محرّم کے مہینے سے شروع ہوتا ہے خاص نمبر میں نئے سال پر یہ نظم شامل نہ ہو سکی اس بار آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ (ادارہ)

لو ماضی کے اب تم بُھلا دو فسانے ۔۔۔ نیا سال آیا یہ ہم کو بتانے
ہوا سال ایک اور کم زندگی کا ۔۔۔ ہے تھوڑا سا غم زندگی کی کمی کا
مگر ہم نے اب یہ کیا ہے اِرادہ ۔۔۔ وطن کو سنواریں گے پہلے سے زیادہ
چراغِ محبّت جلائیں گے ہر سُو ۔۔۔ بکھیریں گے دنیا میں اُلفت کی خوشبو
پیامِ اخوّت بھی ہم سب کو دیں گے ۔۔۔ کہ اللہ میاں جب حساب ہم سے لیں گے
وہ بولیں گے ہم سے کہ اب تم بتاؤ ۔۔۔ کیا زندگی بھر کیا؟ سب کچھ سُناؤ
اگر اچھے اپنے یہ اعمال ہوں گے ۔۔۔ جو پُر نیکیوں سے مہ و سال ہوں گے
تو اللہ میاں ہم کو انعام دیں گے ۔۔۔ مسّرت سے پُر صُبح اور شام دیں گے
نیا سال نئے حوصلے لارہا ہے ۔۔۔ نئی روشنی ہم کو دِکھلا رہا ہے

اڑنے بھی نہ پائے تھے

محمد عادل منہاج

جب گرمیوں کی چھٹیاں ہوں۔ گھر میں بہت سے بچّے ہوں اور گھر کے بڑے کسی تقریب میں گئے ہوئے ہوں تو پھر گھر میں کیا ہوتا ہے۔ ہنگامہ' ادھم بازی' شور شرابا۔ یہی سب کچھ اس دن رفیق صاحب کے گھر میں ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ خود اپنی بیگم اور بہن کے ہمراہ کسی تقریب میں گئے ہوئے تھے۔ اور بچوں کو آرام سے رہنے کی تاکید کر گئے تھے۔ اس وقت گھر میں ان کے پانچ بچوں عدنان' عرفان' فُرقان' ماریہ اور ثانیہ کے علاوہ ان کی بہن کے تین بچے شہزاد' مراد اور نمیرہ موجود تھے۔ جو چھٹیاں گزارنے ان کے گھر آئے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ عدنان کے دوست ارشد اور انور بھی تھے۔ وہ سب کمرے میں موجود تھے۔

"کیوں نہ آج ایک نیا کھیل کھیلا جائے۔" عدنان کہہ رہا تھا۔

"نیا کھیل.....!!" سب حیرت سے بولے۔
"ہاں کیرم' آنکھ مچولی' لڈو کھیل کھیل کر میں تو تنگ آچکا ہوں۔" وہ بولا۔
"تو پھر تم کیا کھیلنا چاہ رہے ہو۔ کرکٹ!" ارشد بولا۔
"نا بابا..... ابو نے سختی سے منع کیا ہے کہ گھر میں کرکٹ نہیں کھیلنی اور آج باہر جا نہیں سکتے۔"
"تو پھر جلدی سے بتاؤ۔ تم کھیلنا کیا چاہ رہے ہو۔ خواہ مخواہ سسپنس مت پھیلاؤ۔" مراد نے منہ بنایا۔
"ہم حکومت حکومت کھیلتے ہیں!" عدنان نے کہا
"کیا مطلب! یہ کیا کھیل ہوا؟" ماریہ حیرت سے بولی۔
"یہ بڑے مزے کا کھیل ہے بڑے لوگ بھی اسے کھیلتے ہیں۔" عدنان بولا۔
"مگر کیسے!" فُرقان نے پوچھا۔
"بھئی تم نے دیکھا نہیں تھا جب الیکشن ہوئے تھے تو سب نے ووٹ ڈالے تھے۔ بہت سارے لوگ منتخب ہوئے تھے پھر انہوں نے وزیراعظم چُنا اور صدر چُنا تھا۔"
"لیکن بھائی ان کی حکومت چند دنوں بعد ختم ہوگئی تھی۔" عدنان نے بتایا۔ "تو پھر دوبارہ ان بھی تو گئی تھی۔" فرقان نے کہا۔
"یہ تو بڑے مزے کا کھیل ہے۔" چھوٹی تانیہ نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔
"مگر ہم کس طرح کھیلیں گے؟" عرفان نے پوچھا۔
"بھئی یوں سمجھو کہ یہ کمرہ اسمبلی ہال ہے۔ ہم سب اسمبلی کے ممبر بن جاتے ہیں۔ پھر کوئی سے دو بچے وزیراعظم کے عہدے کے لئے کھڑے ہوں گے۔ سب بچے ووٹ ڈالیں گے۔ جسے زیادہ ووٹ ملے وہ وزیراعظم بن جائے گا پھر آج کے دن گھر میں اس کا حکم چلے گا۔"
"مگر وزیراعظم کے عہدے کے لئے کون کون کھڑا ہوگا؟"
"ایک تو میں کیونکہ میں سب سے بڑا ہوں۔" عدنان بولا۔
"اور دوسرا میں کیوں کہ عدنان کے بعد سب سے بڑا میں ہوں۔" ارشد بولا۔
"یہ کیا بات ہوئی۔ آپ دونوں تو وزیراعظم بن جائیں اور مزے کریں اور ہم بس ووٹ ڈالیں۔ ہم نہیں کھیل رہے۔" نمیرہ ناراض ہو کر بولی۔
"اوہو بھئی ناراض کیوں ہوتی ہوں۔ میں وزیراعظم بن کر تمہیں خزانے کا محکمہ دے دوں گا۔" عدنان بولا۔
"خزانے میں رکھا ہی کیا ہے۔ وہ تو ہر وقت خالی ہی رہتا ہے۔" شہزاد ہنسا۔
"اچھا بس خاموش! اب کھیل شروع کرتے ہیں

فُرقان تم دس پرچیاں بناؤ۔" ارشد بولا۔
"ایک منٹ۔ اسمبلی میں ایک اسپیکر بھی تو ہوتا ہے پہلے اسپیکر تو بنائیں۔" مراد بولا۔
"ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا کہ پہلے اسپیکر کا انتخاب ہوتا ہے تو اسپیکر کون بنے گا؟"
"میں! مجھے اسپیکر بننے کا بہت شوق ہے۔" شہزاد بولا۔
"میں بھی لاؤڈ اسپیکر بنوں گی۔" ننھی تانیہ بولی۔
"لاؤڈ اسپیکر نہیں بے وقوف۔ صرف اسپیکر۔" مراد نے اسے گھورا۔
"چلو اسپیکر کے لئے ایک امیدوار تو ہے شہزاد اور دوسرا۔" عدنان بولا مگر خاموشی چھائی رہی۔
"کیوں بھئی کیا اسپیکر کوئی بھی نہیں بننا چاہتا۔" وہ حیرت سے بولا۔
"شاید یہ سب اسپیکر کو لاؤڈ اسپیکر سمجھ رہے ہیں۔" فُرقان بولا۔
"چلیں کوئی نہیں بننا چاہتا تو پھر میں بلا مقابلہ اسپیکر منتخب ہوگیا ہُرّے۔" شہزاد نے نعرہ لگایا اور فوراً کرسی پر براجمان ہوگیا۔
"لیجئے اسپیکر صاحب تو بیٹھ بھی گئے۔"
"اب اللہ ہی انہیں اُٹھائے گا۔" مراد بولا۔
"فرقان تم نے پرچیاں بنالیں؟" عدنان نے پوچھا۔
"جی ہاں .... یہ ہیں۔" اس نے پرچیاں عدنان کو دیں۔ عدنان نے ان پر اپنا اور ارشد کا نام لکھ دیا۔
"ٹھیک دس منٹ بعد ووٹنگ ہوگی۔ اس دوران سب سوچ لیں گے کہ اس نے کس کو ووٹ دینا ہے۔" عدنان بولا اور کمرے میں خاموشی چھاگئی۔
عدنان، ٹہلتا ہوا تانیہ کے پاس گیا اور آہستہ سے بولا۔
"سنو تانیہ تمہیں جب پرچی ملے تو میرے نام کے آگے نشان لگانا۔"
"جی نہیں۔ آپ نے صبح مجھے کھیلنے کے لئے اپنی گیند نہیں دی تھی۔" تانیہ بولی۔
"وہ ..... وہ تو بالکل نئی گیند ہے۔ میں تمہیں دوسری دے تو رہا تھا۔"
"جی نہیں میں وہی گیند لوں گی۔"
"اچھا بابا تم وہی گیند لے لینا مگر پھر نشان میرے نام پر لگانا سمجھ گئیں نا۔" عدنان بولا اور تانیہ نے سر ہلادیا۔ اب وہ بے نیازی سے ٹہلتا ہوا فرقان کی طرف بڑھا۔ ادھر ارشد مراد سے بات چیت مکمل کر کے عرفان کی طرف بڑھ رہا تھا۔
"یار عرفان تم تو مجھے ہی ووٹ دو گے نا؟" وہ خوشامدانہ لہجے میں بولا۔
"وہ کس خوشی میں۔" عدنان نے اسے گھورا۔
"بھئی میں تمہارا دوست جو ہوں۔" وہ بولا۔

"ہوں اور جب کل میں نے پڑھنے کے لئے ناول مانگا تھا اس وقت دوستی کہاں گئی تھی؟"

"وہ پڑوس میں گئی ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب؟" عرفان نے اسے گھورا۔

"مم .... میرا مطلب ہے یار میں تمہیں ایک نہیں دو دو ناول دوں گا۔ بس ووٹ مجھے ہی ڈالنا۔"

"ٹھیک ہے سوچیں گے۔" عرفان نے کندھے اچکائے اور ارشد نے بات چیت مکمل ہونے پر اِدھر اُدھر دیکھا کہ اب کس کو پھانسا جائے۔ عدنان بھی ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں ملیں تو دونوں ہی گھبرا گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

ہارس ٹریڈنگ پورے زور شور سے جاری تھی کہ شہزاد نے اعلان کیا۔

"دس منٹ پورے ہو چکے ہیں۔ سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ جائیں۔"

"مگر یہاں تو صرف دو ہی کرسیاں ہیں۔ جن میں سے ایک پر تم نے قبضہ کر رکھا ہے۔" فرقان نے اسے گھورا۔

"اور ایسا جم کے بیٹھا ہے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔" نمیرہ بولی۔

"دراصل مجھے خطرہ ہے کہ اِدھر میں اٹھا اُدھر کرسی ہاتھ سے گئی۔" وہ بولا۔

"خیر بھئی کرسیاں نہیں تو چار پائیوں پر بیٹھ جائیں۔" عدنان بولا۔

"چلو شہزاد کرسی چھوڑو اور پرچیاں تقسیم کرو۔" ارشد بولا۔

شہزاد ڈرتے ڈرتے کرسی سے اُٹھا اور سب میں پرچیاں تقسیم کردیں۔ سب نے دوسروں سے چھپا کر پرچی پر نشان لگایا اور پرچیاں میز پر رکھے ایش ٹرے میں ڈال دیں۔

اب شہزاد پرچیاں کھولنے لگا۔ اور جن پر عدنان کے نام کے آگے نشان لگا تھا وہ ایک طرف اور ارشد والی دوسری طرف رکھنے لگا۔

"یہ کیا اس پرچی پر تو دونوں ناموں کے آگے نشان لگا ہے۔" شہزاد حیرت سے بولا۔

"یہ دو دو نشان کس نے لگائے ہیں؟" مراد نے سب کو گھورا۔

"میں نے۔" ثانیہ فوراً بولی۔

"تم نے ......!" شہزاد حیرت سے بولا۔ مگر تم نے دونوں ناموں پر نشان کیوں لگایا؟"

"عدنان بھائی نے کہا تھا کہ ان کے نام پر نشان لگاؤں گی تو وہ مجھے گیند دیں گے۔" ثانیہ بولی۔

"اچھا ..... تو آپ ووٹ خریدتے پھر رہے تھے۔" ارشد نے اسے گھورا۔

"اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" عدنان نے

اسے جوابی طور پر گھورا۔

"خیر خیر آپ دونوں ہی ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں مگر ثانیہ یہ بتاؤ کہ تم نے ارشد کے نام کے آگے نشان کیوں لگایا؟" شہزاد بولا۔

"انہوں نے کہا تھا کہ یہ مجھے اپنی تصویروں والی کتاب دیں گے۔" ثانیہ بولی۔

"اور اس لئے تم نے دونوں کے ناموں کے آگے نشان لگا دیئے لالچی کہیں کی!" ماریہ بولی۔

"اب مجھے گیند اور کتاب دیں۔" ثانیہ بولی۔

"اب تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔" عدنان جھنجلا کر بولا۔ تم نے ایک ووٹ ضائع کروادیا۔"

"میں ابو سے کہوں گی۔" ثانیہ نے رونا شروع کردیا۔

"اچھا اچھا روؤ مت میں تمہیں گیند دے دوں گا۔" عدنان گھبرا کر بولا۔

"بھئی واہ..... ابو سے تو ایسے ڈرتے ہیں جیسے ابو نہ ہوئے امریکہ ہوگئے۔" مراد ہنسا۔

"آرڈر ..... آرڈر اب میرا فیصلہ سنیں۔ وزیراعظم کے الیکشن میں کل نو ووٹ ہیں ۔ ثانیہ کا ووٹ ضائع ہوگیا۔ باقی بچے آٹھ۔ جن میں سے چار عدنان کو ملے ہیں اور چار ارشد کو۔"

شہزاد نے فیصلہ سنایا۔

"یہ ..... یہ کیا بات ہوئی۔ اب وزیراعظم کون بنے گا؟" انور بوکھلا کر بولا۔

"یہ سب ثانیہ کی وجہ سے ہوا ہے۔" عدنان جھلا کر بولا۔

"مگر اب ہوگا کیا۔ فیصلہ کس طرح ہوگا؟ ارشد پریشان ہو کر بولا۔

"میرا خیال ہے ثانیہ سے دوبارہ پوچھ لیتے ہیں کہ اس کا ووٹ کس طرف ہے۔ جس طرف اس کا ووٹ ہوا وہی وزیراعظم بن جائے گا۔" عرفان بولا۔

"یعنی ساری اسمبلی کی تقدیر ایک بندے کے ہاتھ میں ہے۔ ثانیہ دی گریٹ۔" مراد بولا۔

"چلو ثانیہ بتاؤ۔ تم عدنان کی طرف ہو یا ارشد کی طرف۔" شہزاد نے پوچھا۔

"ثانیہ ..... دو ...... دو گیندیں۔" عدنان نے اسے اشارہ کیا۔

"میں عدنان بھائی کے ساتھ ہوں۔" ثانیہ فوراً بولی۔

"یہ .... یہ غلط ہے۔ عدنان ہارس ٹریڈنگ کررہا ہے۔ ثانیہ میں تمہیں کتابیں دوں گا بالکل نئی۔" ارشد بولا۔

"ٹھیک ہے میں ارشد بھائی کے ساتھ ہوں۔"

"یہ کیا بکواس ہے ثانیہ نہ ہوئی' لوٹا ہوگئی کبھی

اِدھر کبھی اُدھر۔" شہزاد بھنّا گیا۔
"آپ خود ہوں گے لوٹا۔ میں ابو سے شکایت کروں گی۔" ثانیہ چلائی۔
"ایک تو تم ابو کا ڈراوا دیتی رہتی ہو۔"
"بس جھگڑا ختم! ثانیہ نے پہلے میرے حق میں فیصلہ دیا تھا لہٰذا وزیرِاعظم میں ہوں۔ کرسی میری ہے۔" عدنان چلّایا اور کُرسی کی طرف دوڑا۔
"غلط ثانیہ نے بعد میں فیصلہ بدل دیا تھا۔ خبردار کرسی کو ہاتھ نہ لگانا۔" ارشد بھی چیخا اور کرسی کی طرف جھپٹا۔ عدنان نے کرسی پر ہاتھ ڈالا مگر ارشد نے تیزی سے کھینچ لی۔ عدنان دھڑام سے گرا۔ سب ہنسنے لگے۔ ادھر ارشد کرسی پر بیٹھ گیا۔ عدنان اٹھا اور ارشد کو کھینچنے لگا۔
"یہ کیا ہورہا ہے کرسی ارشد کا حق ہے۔" انور بولا۔
"جی نہیں اصل حق عدنان کا ہے۔" فرقان بولا اور وہ بھی عدنان کے ساتھ مل گیا۔ لہٰذا ارشد کو کرسی سے کھینچ لیا گیا مگر تینوں ہی زور لگاتے ہوئے نیچے گرے۔ ارشد نے غصے میں ایک گھونسا عدنان کے رسید کیا مگر عدنان تیزی سے ایک طرف ہوگیا اور گھونسا مراد کے لگا۔ اس نے غصے میں لات چلائی تو وہ عرفان کو لگی جو بیچ بچاؤ کرانے آرہا تھا۔ اسے بھی غصہ چڑھ گیا اس نے بستر سے تکیہ اُٹھایا اور مراد کے سر پر مارنے لگا۔
"تکیہ مت توڑو۔ امی آکر پٹائی لگائیں گی۔" نمیرہ نے تکیہ اس سے چھیننا چاہا تو اسے زور دار دھکا لگا اور وہ گر پڑی۔ فرقان نے عدنان کو پیچھے کھینچا عدنان نے ارشد کا گریبان پکڑا ہوا تھا۔ نتیجتاً جھٹکا جو لگا تو گریبان کے بٹن ٹوٹ گئے۔ اور عدنان خود پیچھے کو گرا۔ پیچھے میز رکھی تھی وہ بھی اُلٹ گئی اور میز پر رکھا پانی کا جگ گرا تو کمرے میں پانی پھیل گیا۔ ارشد نے عدنان پر چھلانگ لگائی وہ تیزی سے بستر پر چڑھا اور دوسری طرف کود گیا۔ ارشد نے بستر کی چادر پکڑ کر کھینچ لی مگر چادر کھینچتا ہوا خود ہی پیچھے لڑھک گیا۔ اور ثانیہ پر گرا تو ثانیہ نے زور زور سے چیخنا شروع کردیا۔ "میں کہتا ہوں ختم کرو یہ دنگا فساد۔ بے وقوفو! یہ کوئی سچ مچ کی اسمبلی تھوڑی ہے۔" شہزاد چلّایا۔ ادھر ثانیہ کے شور مچاتے ہی سب کو سانپ سونگھ گیا۔
"میں ابو سے کہوں گی کہ آپ سب لڑ رہے تھے۔ ارشد بھائی نے مجھے مارا بھی ہے۔" وہ چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔
"ارے ارے میں نے مارا تھوڑا ہی ہے وہ

تو میں پھسل کر گرا تھا۔ پلیز چُپ ہو جاؤ۔ اچھا یہ لو پانچ روپے۔" ارشد نے اس کے رونے سے گھبرا کر جیب سے پانچ کا نوٹ نکالا اور تانیہ کو پکڑایا۔ نوٹ لیتے ہی وہ خاموش ہو گئی۔

"میں وزیراعظم بنوں یا نہ بنوں مگر یہ تانیہ بڑی ہو کر ضرور سیاست دان بنے گی ابھی کیسا چیخ رہی تھی اور مُٹھی گرم ہوتے ہی چپ ہو گئی۔" ارشد جل کر بولا۔

اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی۔

"یہ ..... یہ کون آگیا۔ کیا ابو؟" عدنان گھبرا کر بولا۔

"اتنی جلدی! میں دیکھتا ہوں۔" فُرقان دروازے کی طرف دوڑا اور جلد ہی منہ لٹکائے اندر داخل ہوا پیچھے رفیق صاحب ان کی بیگم اور بہن تھیں۔

"آپ ..... آپ اتنی جلدی آگئے۔" عدنان ہکلایا۔ مگر وہ تو کمرے کا منظر دیکھ رہے تھے۔

"یہ کمرے کی کیا حالت بنا رکھی ہے۔ کیا تم لوگ لڑتے رہے ہو؟" رفیق صاحب نے اسے گھورا۔

"وہ .... ابو ہم حکومت حکومت کھیل رہے تھے۔" عدنان ڈرتے ڈرتے بولا۔

"حکومت حکومت .... کیا مطلب!" وہ حیرت سے بولے۔

جسم کی کابینہ

دماغ	وزیراعظم
سر	وزیر تعلیم
کان	وزیر ڈاک
معدہ	وزیر خوراک
دل	وزیر مالیات
ہاتھ	وزیر محنت
جلد	وزیر دفاع
ٹانگیں	وزیر مواصلات
زبان	وزیر نشریات
مسام	وزیر داخلہ

"جی وہ عدنان اور ارشد بھائی وزیراعظم بننے کے لئے لڑ رہے تھے۔ دونوں کو برابر برابر ووٹ ملے تھے۔" فرقان بولا

"لاحول ولاقوہ ..... تم لوگوں کو کوئی شریفانہ کھیل نہیں ملا تھا کھیلنے کے لئے ......ہیں۔ جس بات پر آج تک بڑے راضی نہیں ہو سکے اس پر بچے کیا راضی ہوں گے۔ خبردار جو آئندہ ایسا بے ہودہ کھیل کھیلا چلو کمرہ ٹھیک کرو۔" انہوں نے غصے میں کہا۔ اور یوں رفیق صاحب نے آٹھویں ترمیم کے ذریعے نوزائیدہ اسمبلی کا خاتمہ کردیا!!

دو انیچی

عبدالقادر

دو انیچی شِکار کو نکلے — لے کے بندوق جھیل پر پہنچے
ایک کشتی انہیں نظر آئی — گویا اُمید ان کی بر آئی
بولے "اس میں سوار ہوجائیں — اور بگلوں کو مار کر لائیں"
جھیل کے بیچ میں گئے دونوں — گیت گاگا کے خوش ہوئے دونوں
آئی بگلوں کی جب فضا میں ڈار — لے کے بندوق ہوگئے تیار
تھامی بندوق اس طرح مِل کر — نال نیچے تھی اور بٹ اوپر
ایسی حالت میں جب کیا فائر — ایک سُوراخ ہوگیا ظاہر
جوں ہی کشتی میں راستہ پایا — پانی سُوراخ سے اُبل آیا
پھُوٹ نکلا جو آب کا دھارا — بولے "تقدیر نے ہمیں مارا
زندگی کس طرح بچائیں ہم — ہائے کیسے نجات پائیں ہم"

ایک کہنے لگا "جوہر ہوں میں
علم و دانش کا آسماں ہوں میں

میری تدبیر کا جواب نہیں
مجھ کو اظہار میں حجاب نہیں

میں نے سوچا ہے ایک حل عُمدہ
اب رہیں گے ضرور ہم زندہ

ایک فائر مزید کر ڈالیں
اور کشتی میں چھید کر ڈالیں

ایک رستے سے پانی آئے گا
دوسرے سے نِکل کے جائے گا"

پھر جو گولی چلائی دونوں نے
راہ جنّت کی پائی دونوں نے

جب نمودار ہوگیا روزن
داخلے پر رہی نہیں قدغن

دوسرا بھی چلا جو فوارہ
کس قدر تھا عجیب نظارہ

زور سے آب تھا وہاں جاری
خوف دونوں پہ ہوگیا طاری

ان کے ہاتھوں کے اُڑ گئے طوطے
کھائے جاتے تھے جھیل میں غوطے

آیا کشتی میں اس قدر سیلاب
چند لمحوں میں ہوگئی غرقاب

اٹلانٹا اولمپک

ضیا الرحمن ضیا

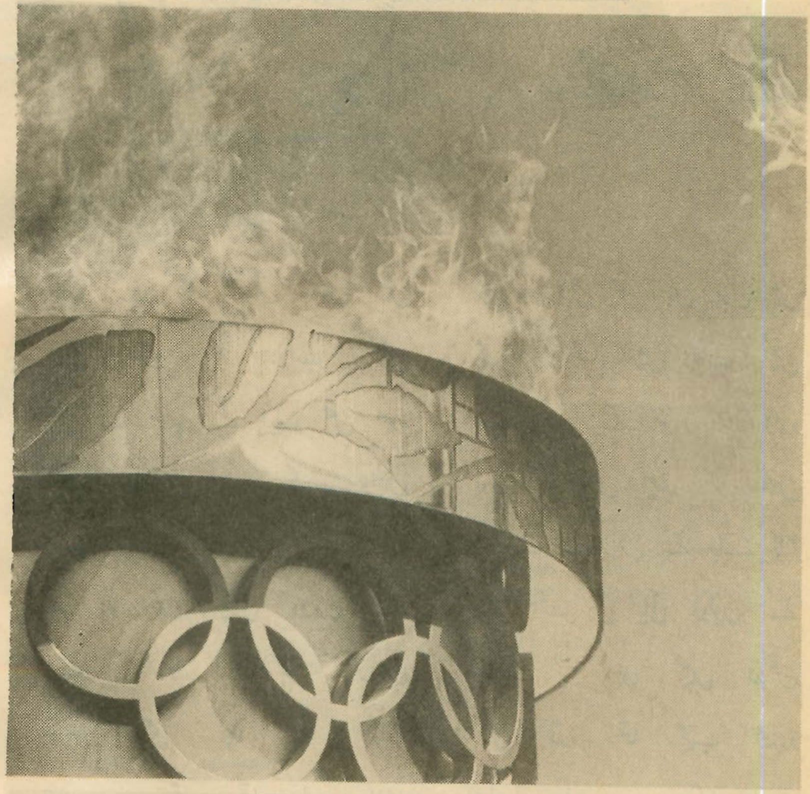

۱۹ جولائی کو امریکی شہر اٹلانٹا کے سینٹینئل اولمپک اسٹیڈیم میں ایک دھنک رنگ تقریب میں چھبیسویں اولمپک کھیلوں کا افتتاح ہوا۔ اٹلانٹا اولمپک جدید اولمپک کھیلوں کی ایک صدی کی تکمیل کے برس منعقد کئے جا رہے ہیں اسی لئے انہیں "صدی اولمپک" کا نام دیا گیا۔ ان اولمپک کھیلوں کی اختتامی تقریب ۴ اگست کو ہوگی۔

اٹلانٹا امریکی ریاست جارجیا کا دارالحکومت ہے۔ یہ امریکہ کے جنوب مشرق میں واقع ایک صنعتی شہر ہے۔ آبادی دس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ امریکہ کی خانہ جنگی کے دوران ۱۸۶۴ء میں یہ شہر مکمل طور پر تباہ ہوگیا تھا لیکن یہاں کے باشندوں نے محنت کر کے صرف چند برس میں تباہی کے سارے نشانات مٹا دیئے۔

اٹلانٹا اولمپک کو یادگار بنانے کے لئے ہزاروں افراد شب و روز کوشاں رہے۔ یہ صرف اٹلانٹا کے شہریوں کی عزت کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہ اولمپک ان کے ملک کے لئے بھی ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف تعمیرات میں امریکہ کے قومی وقار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اولمپک کے مرکزی اسٹیڈیم کو صدی اولمپک کی مناسبت سے "سینٹینئل اولمپک اسٹیڈیم" کا نام دیا گیا ہے۔ افتتاحی اور اختتامی تقریب کے ساتھ ساتھ ایتھلیٹکس کے زیادہ تر مقابلوں کا انعقاد یہیں کیا جا رہا ہے۔

۱۹۰۴ء کے سینٹ لوئی، ۱۹۳۲ء اور ۱۹۸۴ء کے لاس اینجلس اولمپکس کے بعد یہ چوتھا موقع ہے جب اولمپک کھیلوں کا انعقاد کسی امریکی شہر میں کیا جا رہا ہے۔ اس طرح امریکہ چار اولمپک کھیلوں کی میزبانی کرنے والا واحد ملک بن گیا ہے۔

اٹلانٹا اولمپک پر خرچ کا تخمینہ ۱.۵ بلین امریکی ڈالر لگایا گیا ہے جو ۵۷ ارب پاکستانی روپے کے مساوی ہے۔ اولمپک کو دیکھنے کے لئے بیس لاکھ افراد کی آمد متوقع ہے۔ شائقین کی اتنی بڑی تعداد کے پیش نظر اٹلانٹا اولمپک کمیٹی نے ۱۷ ہزار افراد کو ملازم رکھا ہے۔ ان افراد کے علاوہ بھی کئی ہزار افراد اولمپک کے دوران مختلف امور کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دہشت گردی سے کھلاڑیوں کو محفوظ رکھنے کے لئے بڑے سخت اقدامات کئے گئے ہیں۔

اٹلانٹا میں ان دنوں کراچی جیسا موسم ہوتا ہے۔ توقع ہے کہ اولمپک کھیلوں کے دوران اوسطاً" درجہ حرارت ۸۸ درجے فارن ہائیٹ یعنی ۳۱ درجے سینٹی گریڈ رہے گا۔ اسی لئے اولمپک ویلج میں ایئر کنڈیشنڈ ر سہولت بھی فراہم کی گئی ہے۔

اٹلانٹا میں ۲۶ کھیلوں میں ۲۷۱ ایونٹ کے مقابلوں کا انعقاد کیا جا رہا ہے۔ ۱۶۳ مقابلے صرف

مرد کھلاڑیوں کے لئے مخصوص ہیں - ۹۷ مقابلوں میں صرف خواتین شریک ہورہی ہیں اور گیارہ مقابلے ایسے ہیں جس میں مرد اور خواتین دونوں مشترکہ طور پر حصہ لے رہے ہیں-

اٹلانٹا میں تقریباً" دو سو ممالک کے دس ہزار سے زیادہ کھلاڑی اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھا رہے ہیں- پاکستان کے ۲۴ کھلاڑی پانچ کھیلوں میں شرکت کررہے ہیں- ان کی تفصیل یہ ہے-

ایتھلیٹکس : میں عقرب عباس اور شبانہ اختر کو ملک کی نمائندگی کے لئے منتخب کیا گیا ہے- شبانہ اختر اولمپک میں شرکت کرنے والی پہلی پاکستانی خاتون ایتھلیٹ ہیں-

باکسنگ : میں چار کھلاڑی حصہ لے رہے ہیں- جن کے نام ہیں عبدالرشید قنبرانی' سفارش خان' عثمان اللہ اور عبدالرشید بلوچ- ان چاروں باکسروں نے اولمپک سے پہلے کیوبا میں تقریباً" دو ماہ تک خصوصی تربیت حاصل کی ہے- فلائی ویٹ کلاس کے باکسر عبدالرشید قنبرانی نے کیوبا کے دارالحکومت ہوانا میں منعقد ہونے والے ایک انٹرنیشنل ٹورنامنٹ میں چاندی کا تمغہ حاصل کیا تھا- انہیں ٹورنامنٹ کا بہترین باکسر قرار دیا گیا تھا-

پیراکی : پیراکی میں ملک کی نمائندگی کے لئے نوجوان پیراک کمال مسعود کا انتخاب کیا گیا- کمال مسعود امریکی ریاست پنسلوانیا میں انٹرنیشنل اولمپک کمیٹی کے ایک وظیفے پر تعلیم حاصل کررہے ہیں- وہ امریکہ ہی سے پاکستانی دستے میں شامل ہوئے-

کشتی : میں صرف ایک پہلوان محمد بشیر بھولا بھالا کو منتخب کیا گیا ہے-

ہاکی : میں جو سولہ رکنی ٹیم حصہ لے رہی ہے اس کی قیادت گول کیپر **منصور احمد** کررہے ہیں-

پاکستان نے موجودہ اولمپک سے **قبل اولمپک** کھیلوں میں مجموعی طور پر جو دس تمغے حاصل کئے ان میں سے آٹھ تمغے ہاکی میں ہیں- پاکستان نے اولمپک ہاکی میں سونے اور چاندی کے تین تین اور کانسی کے دو تمغے جیتے ہیں- ان کے علاوہ پاکستان نے کانسی کا ایک ایک تمغہ کشتی اور باکسنگ میں حاصل کیا تھا- کشتی میں ۱۹۶۰ کے روم اولمپک میں محمد بشیر اور باکسنگ میں ۱۹۸۸ء کے سیئول اولمپک میں حسین شاہ نے یہ تمغے جیتے-

اٹلانٹا اولمپک مقابلوں' کھلاڑیوں اور اقوام کی تعداد کے اعتبار سے تاریخ کے سب سے بڑے اولمپک ہیں' لیکن ان اولمپک میں پاکستان کے کھلاڑیوں کی جانب سے مثالی کارکردگی کی توقعات کم ہی ہیں-

نعمان احمد خان

جانوروں کے دفاعی راز

کیریبین (کے ری بی ین)

بٹر فلائی فش کے جسم پر دُم کے پاس ایک بڑا سا دھبہ ہوتا ہے جو دور سے آنکھ لگتا ہے اور دشمن چند لمحوں کے لئے شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ دُم کہاں ہے؟ اس نسل کی کچھ مچھلیاں تو اس قدر چالاک ہیں کہ آہستہ آہستہ پیچھے تیرتی ہیں تاکہ اس تاثر کو مزید گہرا بنا سکیں!!

اُلو

اس مچھلی خور الو کو خاکی رنگ اور خاکی پہاڑیوں میں تلاش کرنا کافی دقت طلب ہوتا ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے اسے دیا گیا انعام ہے۔

زیبرا

زیبرے کی دھاریاں انسانی فنگر پرنٹ کی طرح ہیں جو انہیں ایک غول میں ایک دوسرے کو پہچاننے میں مدد دیتے ہیں کیونکہ کسی بھی دو زیبروں کے نشان کبھی یکساں نہیں ہوتے!!

شیر کی چالاکی

جنگلوں میں عموماً سوکھے پتّوں کے درمیان بہترین کیموفلاج کئے ہوئے یہ شیر بڑی آہستگی مگر ہوشیاری سے بیٹھا ہے۔ مختلف جانوروں مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور وہ بے چارے بے خبری میں مارے جاتے ہیں۔

بارش کے بعد

مس فرحین

آج صبح جب میں فجر کی نماز کے لئے اٹھا تو خلاف معمول صبح کی وہ گہما گہمی محسوس نہیں ہوئی جو صبح کی آمد کا اعلان کرتی ہے۔ نہ ہی پرندوں کی خوبصورت آواز کا جادو فضاؤں میں بکھرا ہوا تھا اور نہ ہی سورج کی سنہری کرنیں زمین کی آغوش میں بچھی ہوئی تھیں۔ البتہ ہواؤں کی سائیں سائیں کافی تیز تھی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو سرمئی اور کالے بادلوں کے کئی ٹکڑے تیزی سے آپس میں گڈمڈ ہوتے دکھائی دیئے اور ان بادلوں کے درمیان سفید کبوتروں کا غول کبھی تیزی سے اوپر اور کبھی تیزی سے نیچے کی طرف آتا نظر آیا۔ میں اس خوبصورت منظر سے ابھی لطف اندوز ہو ہی رہا تھا کہ امی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"احسن آج اسکول مت جانا لگتا ہے کافی تیز بارش ہوگی" وہ صحن میں پھیلے ہوئے کپڑے رسی سے اتار رہی تھیں۔

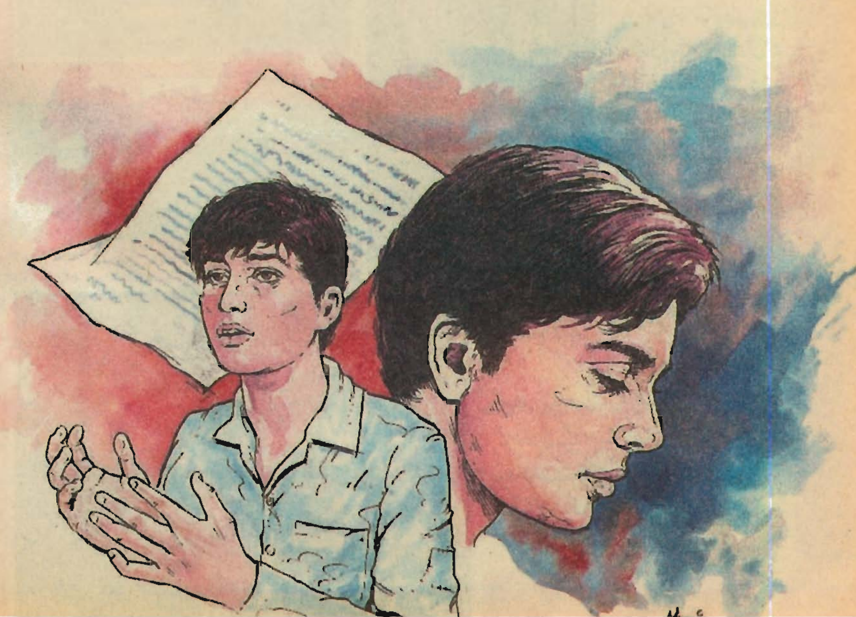

نعمان احمد خان

جانوروں کے دفاعی راز

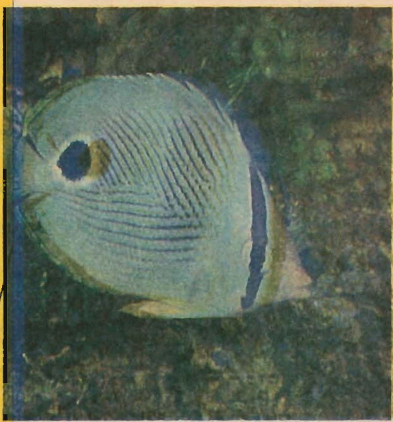

کیریبیین (کے ری بی ین)

بٹرفلائی فش کے جسم پر دُم کے پاس ایک بڑا سا دھبہ ہوتا ہے جو دور سے آنکھ لگتا ہے اور دشمن چند لمحوں کے لئے شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ دُم کہاں ہے؟ اس نسل کی کچھ مچھلیاں تو اس قدر چالاک ہیں کہ آہستہ آہستہ پیچھے تیرتی ہیں تاکہ اس تاثر کو مزید گہرا بنا سکیں!!

اُلو

اس مچھلی خور الّو کو خاکی رنگ اور خاکی پہاڑیوں میں تلاش کرنا کافی دقّت طلب ہوتا ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے اسے دیا گیا انعام ہے۔

زیبرا

زیبرے کی دھاریاں انسانی فنگر پرنٹ کی طرح ہیں جو انہیں ایک غول میں ایک دوسرے کو پہچاننے میں مدد دیتے ہیں کیونکہ کسی بھی دو زیبروں کے نشان کبھی یکساں نہیں ہوتے!!

شیر کی چالاکی

جنگلوں میں عموماً سوکھے پتّوں کے درمیان بہترین کیموفلاج کیے ہوئے یہ شیر بڑی آہستگی مگر ہوشیاری سے بیٹھا ہے۔ مختلف جانوروں مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ کو اس کی خبر نہیں ہوتی اور وہ بے چارے بے خبری میں مارے جاتے ہیں۔

بارش کے بعد

مس فرحین

آج صبح جب میں فجر کی نماز کے لئے اٹھا تو خلاف معمول صبح کی وہ گھما گھمی محسوس نہیں ہوئی جو صبح کی آمد کا اعلان کرتی ہے۔ نہ ہی پرندوں کی خوبصورت آواز کا جادو فضاؤں میں بکھرا ہوا تھا اور نہ ہی سورج کی سنہری کرنیں زمین کی آغوش میں بچھی ہوئی تھیں۔ البتہ ہواؤں کی سائیں سائیں کافی تیز تھی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ کی تو سرمئی اور کالے بادلوں کے کئی ٹکڑے تیزی سے آپس میں گڈمڈ ہوتے دکھائی دیئے اور ان بادلوں کے درمیان سفید کبوتروں کا غول کبھی تیزی سے اوپر اور کبھی تیزی سے نیچے کی طرف آتا نظر آیا۔ میں اس خوبصورت منظر سے ابھی لطف اندوز ہو ہی رہا تھا کہ امی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"احسن آج اسکول مت جانا لگتا ہے کافی تیز بارش ہوگی" وہ صحن میں پھیلے ہوئے کپڑے رسی سے اتار رہی تھیں۔

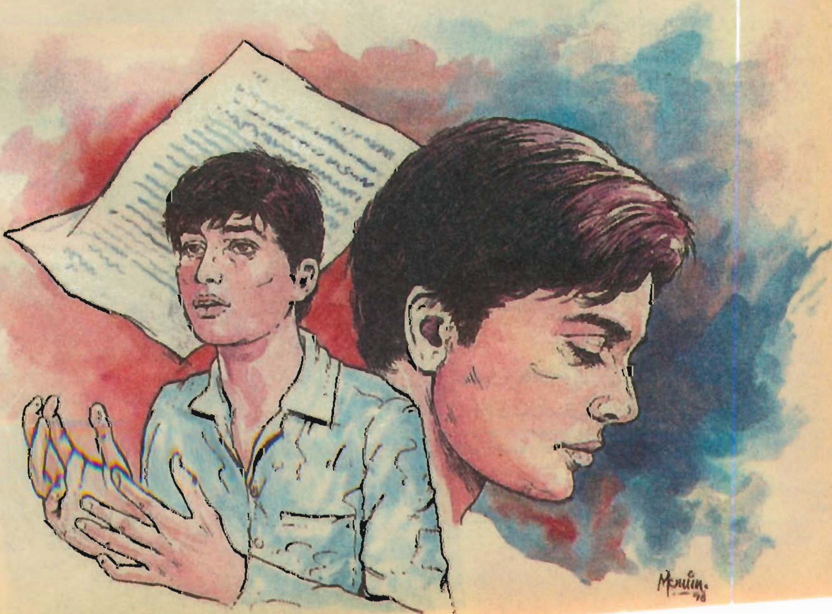

"جی اچھا امّی!" میں نے حسبِ معمول امّی کی بات کو حکم سمجھتے ہوئے اقرار میں جواب دیا۔
"اور ہاں جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر نماز پڑھ لو آج میں نے تمہارے لئے آلو بھری روٹیاں بنائی ہیں۔" امّی نے تمام کپڑے کمرے میں رکھ کر باورچی خانے کا رُخ کرتے ہوئے مجھ سے کہا۔
میں وضو کر کے صحن میں آیا تو ٹھنڈی سرد ہوائیں جسم کو چُبھ رہی تھیں اور ان میں مٹی کی بھینی بھینی خوشبو بھی شامل تھی کیوں کہ ننّھی مُنّی بوندوں کے گرنے کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا میں نماز پڑھ کر سیدھا باورچی خانے کی طرف گیا۔ اس عرصے میں بارش بھی تیز ہو گئی تھی اور ایسے میں امّی کے ہاتھ کی بنی ہوئی گرم گرم آلو بھری روٹیاں اور رات کا گوشت کا سالن من و سلویٰ سے کم نہ تھا۔ میں ناشتہ کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلا آیا اور اپنی بکھری ہوئی کتابوں کو ترتیب سے رکھنے لگا مجھے اچھی کتابیں پڑھنے اور معلوماتی کتابیں جمع کرنے کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ میرے دادا جان کہتے تھے "ہر انسان دو آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ مگر وہ لوگ جو صحیح معنوں میں علم حاصل کرتے ہیں ان کی تیسری آنکھ یعنی شعور کی آنکھ بھی کُھل جاتی ہے اور پھر انہیں دوسروں کے مقابلے میں ہر چیز زیادہ صاف اور واضح نظر آتی ہے۔ تیسری آنکھ کھولنے کے لئے کتابوں کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔" دادا جان نے جب یہ بات کہی تھی بس اسی دن سے میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگئی کہ میں بھی تین آنکھوں سے دُنیا کو دیکھوں اور اسی خواہش کی بنا پر اب تک میں نے بے شمار کتابیں پڑھ ڈالیں تھی۔ اس لئے جلدی جلدی اپنی کتابوں کو ترتیب سے رکھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر ٹیبل پر رکھی فریم پر پڑی جس میں ظفر کی مُسکراتی تصویر مجھے دیکھ رہی تھی اور چند ہی لمحوں میں میرے سامنے ظفر کا چمکتا دمکتا چہرہ آگیا۔ میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہیں کرسی سے ٹیک لگا کر میں نے آنکھیں موندلیں اور میرے ذہن کے پردے پر ان دنوں کی فلم چلنے لگی جب ظفر میرے اسکول نیا نیا آیا تھا میں اس وقت آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ ایک ذہین طالب علم ہونے کی حیثیت سے تمام اساتذہ مجھے بہت چاہتے تھے۔ یوں تو میری کلاس میں بہت سے لڑکے تھے اور میری ان سے اچھی بات چیت بھی تھی مگر ان میں میرا کوئی دوست نہ تھا کیونکہ فارغ اوقات میں بھی گپ شپ کے بجائے اچھی اور معلوماتی کتابیں ہی پڑھتا تھا۔ ظفر جب ہماری کلاس میں آیا تو میرے برابر اس کا جگہ ملی پہلی ہی نظر میں وہ مجھے تمام لڑکوں سے مختلف لگا صاف سُتھرا شرمیلا اور خاموش گو ظفر بلا کا ذہین بھی تھا حساب کے مشکل

سے مشکل سوال منٹوں میں حل کرلیتا تھا۔ اس کی صفائی اور نفاست پسندی اس کی لکھائی.... بھی بے حد نمایاں تھی اور اب کلاس میں میرا اور اس کا مقابلہ بہت تھا پھر پہلے سمسٹر میں ظفر اوّل آیا تو مجھے بہت افسوس ہوا کیونکہ میں آج تک دوئم نہیں آیا تھا لیکن جلد ہی مجھے اس بات کا احساس ہو گیا کہ ظفر نے مجھ سے زیادہ محنت کی تھی۔ بس اس دن سے میں نے اس محنتی اور ذہین لڑکے سے دوستی کرلی اور پھر چند ہی دنوں میں میری اس سے دوستی کتابوں جیسی ہو گئی اور ظفر مجھے اپنی کتابوں ہی کی طرح عزیز اور پیارا ہو گیا۔ ظفر بھی مجھ سے بے حد محبّت کرتا تھا۔ ہماری اس دوستی کو اب سارا اسکول جاننے لگا۔ وقت کا پہیہ تیزی سے گھومتا رہا۔ دن مہینوں میں اور مہینے سالوں میں بدلنے لگے۔ دو سال پلک جھپکتے میں گزر گئے اور ہم میٹرک میں آگئے۔ امتحان میں صرف دو ماہ رہ گئے تھے اور ہم دونوں گھر کے قریبی پارک میں جاکر امتحان کی تیاریوں میں مصروف رہتے۔ ایک دو روز سے میں محسوس کررہا تھا کہ ظفر پڑھائی میں دلچسپی نہیں لے رہا ہے۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا۔ "یہ تمہارا وہم ہے۔ میری کچھ دنوں سے طبیعت ٹھیک نہیں اس لئے پڑھائی میں دل نہیں لگ رہا۔ "ڈاکٹر کو دِکھایا تم نے؟" "ہاں دِکھایا ہے معمولی سی طبیعت خراب ہے۔ چند دنوں میں ٹھیک ہوجاؤں گا۔" اتنا کہہ کر اس نے کتابیں سمیٹیں اور ہم دونوں پارک سے باہر نکل آئے۔

دوسرے دن ظفر اسکول نہیں آیا۔ میں نے سوچا۔ "کہیں اس کی طبیعت زیادہ نہ خراب ہو گئی ہو میں اس کے گھر جاکر اس کی خیریت معلوم کرلیتا ہوں۔" اس خیال کے آتے ہی مجھے یہ بھی خیال آیا کہ مجھے تو ظفر کا گھر ہی نہیں معلوم اور اس وقت مجھے اپنی حماقت پر رونا آیا ہم دونوں برسوں سے ساتھ تھے مگر کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ میں اس کے گھر جاتا اور وہ میرے گھر آتا۔

ظفر کے بغیر میرا دِل اسکول میں نہیں لگا اور میں آدھی چُھٹی لے کر گھر چلا آیا۔ شام میں مجھے کچھ نئی کتابیں لینی تھیں۔ میں اُردو بازار چلا گیا اور گھوم پھر کر دُکانوں میں اپنی مطلوبہ کتابیں تلاش کرنے لگا۔ کتابیں مل گئیں تو میں سڑک پار کر کے بس اسٹاپ کی طرف آیا۔ میری نظر دُکان کے کنارے ایک لڑکے پر پڑی جو سر جُھکائے ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔ میں نے اپنی جیب پر نظر ڈالی تو اس میں چند مُڑے تُڑے نوٹ پڑے تھے وہ نکال کر میں اس لڑکے کی طرف بڑھا۔ مجھے مانگنے والے بالکل پسند نہ تھے مگر نہ جانے کیوں اس لڑکے پر مجھے ترس آگیا تھا۔ میں قریب گیا اور اس کے ہاتھ میں نوٹ پکڑانا ہی چاہتا تھا کہ ٹھٹھک کر رہ

گیا۔

"ظفر تم ......" میں نے حیرت بھری آواز میں کہا تو ظفر کی نظریں فوراً" اٹھیں جن میں گھبراہٹ اور شرمندگی کا عنصر شامل تھا۔ وہ ایک دو لمحے تک مجھے دیکھتا رہا پھر بڑی تیزی سے اپنی جگہ سے ہلا لیکن میں نے مضبوطی سے اس کا بازو تھام لیا۔

"یہ تم ہی ہو ناں؟" میں نے ظفر سے مخاطب ہو کر کہا مگر وہ خاموش کھڑا رہا۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس طرح کے ہو گے تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری طبیعت خراب ہے اور تم یہاں...... تم نے...... تم نے مجھ سے جھوٹ بولا اور..... جھوٹ بولنے والا میرا دوست نہیں ہو سکتا.....!!" میں نے ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ دیا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

"احسن میری بات سنو!" پیچھے سے ظفر کی آواز سُنائی دی مگر میں ادھر ایک منٹ بھی نہیں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے اور تیزی سے قدم بڑھائے اور ظفر کی آواز سے دور نکل گیا۔ گھر آکر مجھے اس بات کا اس قدر صدمہ ہوا کہ میں نے اپنی نئی کتابیں بھی کھول کر نہ دیکھیں اور کھانا کھائے بغیر ہی بستر پر لیٹ گیا میں جلد سونا چاہتا تھا تاکہ کچھ نہ سوچ سکوں۔

دوسرے دن صبح جب میری آنکھ کُھلی تو
میرے ذہن میں کل کی کوئی بات نہ تھی اور مے
اسکول جانے کے لئے تیار ہونے لگا پھر جیسے ہی
سے میں نے اپنی کتابیں اُٹھائیں، میری نظر
ظفر کی تصویر سے ٹکرائیں جو اسکول کے صاف
ستھرے یونی فارم میں کھڑا مُسکرا رہا تھا مگر دوسر
ہی لمحے میری نظر میں ظفر کا وہ چہرہ آگیا جو میں
شام کو دیکھا تھا بھیک مانگتا ہوا چہرہ مجھے اس چہر
سے سخت گھن آئی۔ "آخر ظفر نے ایسا کیوں
کیا؟"

میرے ذہن میں کئی سوال تھے مگر جواب
ایک بھی نہ تھا۔ اسکول کے گیٹ پر حسب معمو
چوکیدار بابا کھڑا تھا۔ میں بابا کو سلام کر کے آ
بڑھا تو اس نے مجھے روک لیا۔

"یہ لو بیٹا یہ لفافہ کل رات ظفر میرے گھ
آکر دے گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ میں تمہیں
دے دوں۔" بابا نے مجھے ایک لفافہ تھما
ہوئے کہا۔

میں نے جلدی سے لفافہ کھولا اور اسکول
گھانس پر بیٹھ کر پڑھنے لگا۔ ظفر کی صاف ستھر
لِکھائی میری نگاہوں کے سامنے تھی۔ لکھ
تھا:

"پیارے دوست! تم شاید اب مجھے دوست
نہ کہو مگر جب تک میری زندگی ہے میں تمہیں
ہمیشہ دوست کہوں گا کل شام تم نے مجھے جس

حالت میں دیکھا یقیناً" تمہیں صدمہ ہوا ہوگا میں بہت مجبور ہوں اور یہ مجبوری ایسی نہیں جنہیں میں چند الفاظ میں سمیٹ کر کاغذ میں قید کردوں بہرحال ایک دوست کی حیثیت سے اپنا حالِ دل بتا رہا ہوں۔

میں تمہارے شہر سے بہت دور ایک گاؤں میں رہتا تھا میں، میرے بابا، بھائی اور چاچا زمیندار کی زمین میں کام کرتے ہیں۔ صبح سے دن، دن سے شام اور شام سے رات تک ہم لوگ جانوروں کی طرح کام کرتے ہیں اور اس کے بدلے ہمیں سُوکھی روٹی کے صرف چند ٹکڑے ملتے ہیں کیونکہ ہم زمیندار کے غلام ہیں اس نے ہمیں ہمارے قرضوں کے بنا پر خرید لیا تھا۔ مجھے پڑھنے کا بے حد شوق تھا اور میرے خیال سے تعلیم ہی وہ کمی تھی جو اس غلامی کا دروازہ کھول کر ہمیں آزاد کرسکتی تھی ہمارے گاؤں کا ایک چاچا شہر میں کسی رئیس کے گھر کا مالی تھا وہ گاؤں اپنے عزیزوں سے ملنے آیا جب وہ واپس جانے لگا تو میں نے اس سے بہت التجا کی کہ مجھے بھی اپنے ساتھ شہر لے چلے آخر منت سماجت سے وہ مان گیا تو ایک دن صبح ہی صبح میں مالی چاچا کے ساتھ شہر آگیا۔ یہاں پر میں نے مالی چاچا سے اسکول جانے کی فرمائش کی تو وہ اس شرط پر مانا کہ میں باغ کے کاموں میں اس کی دیکھ بھال کروں کیونکہ دوسرا مالی چُھٹی پر گیا ہوا تھا۔ میں نے دن رات ایک کر کے خوب جی لگا کر محنت کی تو مجھے مالی چاچا نے اسکول میں داخلہ دلوادیا اور میری کتابوں اور یونی فارم کا بندوست بھی کردیا مگر اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اب اپنا خرچہ خود اُٹھانا۔ میں نے اس بڑے شہر میں بہت کام تلاش کیا مگر مایوسی کے علاوہ کچھ نہ ملا۔ ایک دن مالی چاچا نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے باغ کے پھولوں سے ہار اور گجرے بنادیا کرے گا وہ میں بیچ آیا کروں اور جو پیسے ملیں وہ مالی چاچا کو دے دوں اس طرح وہ میرا خرچہ برداشت کرے گا۔ میں نے حامی بھرلی اور دوسرے دن شام ہی سے میں سڑکوں پر گجرے اور پھول بیچنے لگا۔ شروع میں ان سے اچھا خاصہ پیسہ مل جاتا جو میں مالی چاچا کو دے آتا۔ سڑکوں پر اس قدر گھومنے پھرنے سے میں تھک جاتا تھا مگر اس کے باوجود تعلیم کے شوق میں رات گئے تک پڑھتا اور دوسرے دن یوں اسکول جاتا کہ کسی کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ میرا دوسرا روپ بھی ہے دن ہفتوں میں اور پھر مہینوں میں بدلنے لگے اس دوران میری آمدنی کم سے کم ہوتی جارہی تھی۔ میٹرک کی فیس بھرنے کا وقت آگیا تھا اور میرے پاس فیس جمع کرنے کے لئے پیسے نہ تھے۔ مالی بابا پہلے ہی خرچ اُٹھانے سے انکار کرچکے تھے۔ میں نے کوشش کی کہ صبح اسکول نہ جاؤں اور صبح شام

پھول اور گجرے بیچ کر پیسے جمع کروں تاکہ فیس جمع کراسکوں لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ میں کاروں، اسکوٹروں اور چمکتی دمکتی پجیروں میں بیٹھے لوگوں کے آگے پیچھے پھرا، ان کی منّت و سماجت کی گجرے اور ہار خرید لیں مگر یوں لگتا تھا جیسے ان لوگوں کے دل بہت ہی چھوٹے بنائے گئے ہیں۔ کسی نے مجھ سے ہار اور گجرے نہ خریدے۔ مجھے جھڑک دیا گیا، گالیاں دی گئیں۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ آخر تھک کر میں ایک دکان کے سائے میں بیٹھ گیا کہ چند لمحوں میں میری گود میں ایک نوٹ گرا میں شرمندہ ہوگیا میرا ضمیر مجھے ملامت کرنے لگا لیکن یکے بعد دیگرے کئی نوٹ میری جھولی میں گرے تو میں نے ضمیر کی آواز کو تھپک تھپک کر سُلا دیا۔ شام ہونے تک میری گود نوٹوں اور سکّوں سے بھر گئی تھی۔ میں نے پیسے اور تمام نوٹ سمیٹے اور پھولوں کے گجرے اور ہار قریب ہی ایک قبرستان میں ڈال دیئے کچھ پیسے مالی بابا کو دیئے باقی فیس کے لئے اُٹھا کر رکھ دیئے۔ تین چار دن میں...... فیس کے پیسے جمع ہوگئے۔ میں بھیک کے پیسوں سے فیس جمع کرانا چاہتا تھا۔ لیکن میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا تھا پھر کل شام تم سے ہونے والے ٹکراؤ نے میرے دل کی عجیب حالت کردی جو میں تمہیں بتا نہیں سکتا، شائد میرے اندر کی تھوڑی بہت تعلیم نے میرے ضمیر کو ابھی

پیارے نبی کریمؐ نے فرمایا:
بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین ہدایت محمدؐ کی ہدایت ہے اور بدترین وہ بے جوڑ اضافے ہیں جو ان میں کردیئے جائیں۔ اس طرح کی ہر چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔
(ریاض الصالحین بحوالہ مُسلم)

مرنے نہیں دیا ہے۔ میں اپنے اندر کے اچھے انسان کو نہیں مرنے دوں گا۔ میں کل اپنے گاؤں واپس جارہا ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ عِلم سیکھنے کی لگن دل میں رکھوں لیکن میں تم سے اِلتجا کرتا ہوں کہ جب بھی کسی ہاتھ میں گجرے یا پھولوں کے ہار دیکھو تو ضرور خرید لینا ورنہ خوشبو بانٹنے والے یہ ہاتھ کبھی عِلم حاصل نہ کرسکیں گے اور دوسروں کے آگے پھیل جائیں گے۔ ہوسکے تو مجھے معاف کردینا!" تمہارا دوست ظفر

خط پڑھ کر میری آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ آنسو میرے رخسار پر بہہ نکلے۔ اسی وقت بادلوں کے گرجنے کی آواز سنائی دی اور تیز موسلادھار بارش ہونے لگی۔

بارش کا پانی درختوں، مکانوں اور گلیوں کو بھگورہا تھا اور میرے آنسو میرے دل پر گر رہے تھے لیکن مجھے اس بات پر فخر تھا کہ تعلیم کی طاقت نے میرے دوست ظفر کے اندر چھپے انسان کو ہاتھ پھیلانے کی لعنت سے بچالیا ہے!!

ڈیلی کیوں فرائے ڈے نہیں ہوتا

نعیم مشتاق نومی

ں ہے "ٹیچر" نے "فُل ٹرائی" مگر — ہم پہ "ای فیکٹ" کچھ نہیں ہوتا

وب "اسٹک" ہو چاہے مولا بخش — اپنی "اِسکن" کو کچھ نہیں ہوتا

رہا ہوں "ویکیشن" میں "ایوری ڈے" — "ہوم ورک" جو کیا نہیں ہوتا

سر" کی ہر بات پر رہا میں "کوائٹ" — دھیان "لیکچر" میں جو نہیں ہوتا

ب بھی "اِنگلش" کا آتا ہے "پیریڈ" — "سیٹ" پر اپنی میں نہیں ہوتا

ٹیسٹ آف میتھ" جب بھی ہوتا ہے — اک "کوئسشن" بھی حل نہیں ہوتا

ر "رِزلٹ" پر مجھے یہ "تھاٹ" آئے — کاش میں "ایڈیٹ" نہیں ہوتا

تھاٹ آتا ہے مجھ کو یہ "آفن" — "ڈیلی" کیوں "فرائی ڈے" نہیں ہوتا

"اونین" لے رہا ہوں بغلوں میں
"سک" تو کیا "ال" بھی میں نہیں ہوتا

"آئی پرے" روز ہو مجھے "فیور"
مجھ کو "ہیڈیک" بھی نہیں ہوتا

یوں تو "آئی ریڈ" اپنی "بک" "ڈیلی"
یاد پھر بھی سبق نہیں ہوتا

"سر" سے "آئی آسکڈ" اس کا جب "ریزن"
بولے "بک" میں جو دھیان نہیں ہوتا

جو نہ محنت کرے "ڈی ووٹیڈلی"
"وکٹری اسٹینڈ" پر نہیں ہوتا

لوگ ہیں "مائی سن" جو "ان آرڈر"
ان کا "فیوچر" بھی "ڈارک" نہیں ہوتا

صبر سے ان کی بات نومی "ہرڈ"
دل پہ "برڈن" ذرا نہیں ہوتا

"آفٹر آل" "ینگ" ہوں، نہیں "ایجڈ"
"ہارڈ ورک" "ہارڈ" ہی نہیں ہوتا

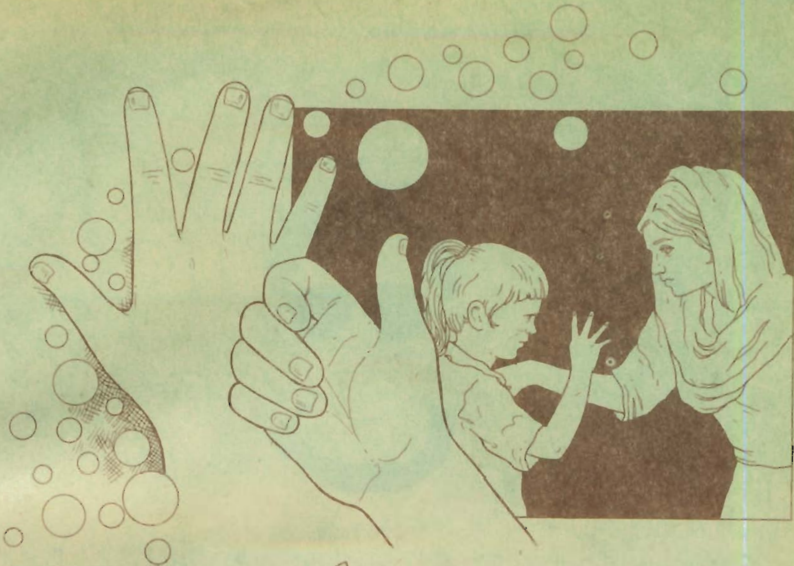

ہمارے ناخن اور ان کی حفاظت

عظمیٰ مجید

"حنا بیٹا! آپ نے ابھی تک ناخن نہیں کاٹے کتنے گندے ہو رہے ہیں۔" "امی کاٹ لوں گی تھوڑی دیر میں۔" "نہیں فوراً کاٹیں ورنہ آپ ابھی اِن ہی ہاتھوں سے کھانا کھائیں گی آپ کو معلوم ہے کہ میل بھرے ناخنوں سے کھانا نہیں کھانا چاہئے۔" "امی آخر ناخن ہوتے کیا ہیں آپ ان پر اتنی توجہ کیوں دیتی ہیں؟" "بیٹے! ناخن ہماری جلد کا حصّہ ہوتے ہیں جو بالوں کی طرح بڑھتے ہیں، ہلکے گلابی، صاف ستھرے اور چمک دار ناخن صحت مندی کی علامت ہوتے ہیں۔ انہیں صحت مند رکھنے کے لئے جسم کے اور حصّوں کی طرح ان کی صفائی پر بھی توجہ دینا ضروری ہے۔ انہیں ہر ہفتے باقاعدگی کے ساتھ کاٹنا چاہئے اور کاٹنے میں یہ احتیاط برتنی چاہئے کہ یہ زیادہ گہرے نہ کٹ جائیں ورنہ زخم کی صورت میں ان میں پیپ پڑنے کا امکان رہتا ہے۔ ان کی

صفائی کا صحت سے بڑا گہرا تعلق ہے میل بھرے ناخنوں سے کھانا پینا ایک خطرناک عمل ہے اسی لئے میں آپ کو انہیں کاٹنے کے لئے کہہ رہی ہوں۔"

"امی! انہیں صحت مند رکھنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟" "بھئی! صحت مند رکھنے کے لئے اچھی اور مناسب غذا کھانی چاہئے جس میں کیلشیم، فولاد وغیرہ شامل ہوں تاکہ یہ بھی تمام جسم کی طرح صحت مند رہیں۔" "امی بعض لوگوں کے ناخن بُھربُھرے اور عجیب سے کیوں ہوجاتے ہیں؟"
"اس لئے کہ ان میں کیلشیم کی کمی ہوتی ہے اسی لئے تو میں آپ کو کہتی ہوں کہ روزانہ پابندی سے دودھ پیا کریں کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ دودھ میں کیلشیم وافر مقدار میں ہوتا ہے ویسے بہت تیز گرم پانی سے بھی ناخنوں کو نقصان پہنچتا ہے، مختلف کیمیائی مادوں اور عادتاً" دانتوں سے انہیں چبانا نقصان دہ ہے۔" "امی! مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ ناخنوں کی اتنی اہمیت ہے اب، مجھے یہ بتائیں کہ ان کی حفاظت کس طرح کرنی چاہئے؟"
"بھئی! ان کی حفاظت کے چند اصول ہیں جن پر عمل کر کے انہیں صحت مند رکھا جاسکتا ہے۔"
۱۔ "سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ انہیں پابندی سے ہر ہفتے کاٹنا چاہئے اور صاف ستھرا رکھنا چاہئے۔

☆ چلتے ہوئے خیال رکھو کہ تمہارے پاؤں کی دُھول میں کسی کی منزل گم نہ ہوجائے۔
☆ برے لوگ اچھی باتوں میں بھی بُرائی کا پہلو تلاش کرتے ہیں۔
مرسلہ: حفیظ الرحمٰن

۲۔ دوسرا اصول یہ کہ زیادہ لمبے عرصے تک موزے نہیں پہنے رہنا چاہئے ورنہ ان میں زخم ہوجاتا ہے۔ اکثر کھلاڑی اس میں مبتلا رہتے ہیں اسی لئے کھیل کے بعد اپنے پاؤں نیم گرم پانی اور کسی اچھے صابن سے خوب اچھی طرح دھو کر خشک کرلینے چاہئے تاکہ جراثیم ناخنوں میں گھسنے اور پلنے نہ پائیں۔
۳۔ تنگ اور سخت جوتوں سے ان پر بہت بُرا اثر ہوتا ہے اسی لئے جوتے خریدتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ جوتے آرام دہ ہوں۔
۴۔ کبھی بھی ناخنوں کو چاقو وغیرہ سے نہیں کاٹنا چاہئے اور انہیں گولائی کے بجائے سیدھا کاٹنا چاہئے تاکہ ان کے کونے نہ بنیں۔"
"امی! ٹھیک ہے آج سے میں بھی ناخنوں کی حفاظت پر توجہ دوں گی اور کوشش کروں گی کہ آپ کے بتائے ہوئے ان سُنہری اُصولوں کی پابندی کروں!!"

ہم نے کلینک کھولا

مجیب ظفر انوار

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مابدولت نے سائنس کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ڈی۔ایچ۔ایم ایس (ڈپلوما ان ہومیو پیتھک میڈیسنل سسٹم) میں بھی داخلہ لے لیا۔ چار سال کا کورس تھا۔ خُدا خُدا کر کے تین سال گزرے جی کرتا تھا کہ وقت کے پر لگ جائیں ہم جلدی سے ڈاکٹر بن جائیں پھر کلبلاتے، چُلبلاتے اور ہِنہناتے مریض ہمارے کلینک پر آئمہ عشق کی روایات کو آگے بڑھائیں اور ہم ان سے پیسے بٹوریں فائنل ایئر میں آئے تو بہت خوشی ہوئی کہ سیمی فائنل سے نکل کر فائنل تک ...... پہنچ گئے ہیں پھر کورس مکمل ہو ہی گیا، مابدولت ڈاکٹر بن گئے۔اب مسئلہ تھا کلینک کھولنے کا ہم نے دوستوں سے پوچھا۔

"بھائیو! یہ حقیر فقیر بندہ پر تقصیر ڈاکٹر بن گیا ہے۔ میٹھی دوائیوں کا ڈاکٹر..... قصائی ڈاکٹر نہیں کہ ذرا ذرا سی بیماری پر انجیکشن گھونپنے لگ جائے۔"

دوستوں نے ہماری بات سُنی۔ ایک نے کہا۔
"ڈاکٹر اور قصائی میں کوئی فرق نہیں ہوتا چاہے ایلوپیتھک ہو یا ہومیو پیتھک۔ دونوں ہی مریضوں کی جیبیں ٹٹولتے ہیں۔"

شکر ہے اس نے جیبیں کاٹنا نہیں کہا تھا۔
اس کی بات کاٹ کر جلدی سے ہم نے پوچھا۔
"اچھا یہ تو بتاؤ کہ کلینک کے لئے کون سی جگہ مناسب رہے گی؟"

جناب اختر نے فرمایا! "بندو کبابی کا برابر والا تھڑا کب سے خالی ہے۔ جاکر تشریف رنجا فرمایئے۔ ابتدائے عشق اور ہاتھ کی صفائی وہیں فرما ڈالیے!"

بہرحال ان کی رائے پسند نہ آئی۔
"کسی سینئر ڈاکٹر کے ساتھ شیئر کر لیجئے!"
عزیز عزمی صاحب نے ہمیں لُقمہ دیا مگر ہم نے کوئی لُقمہ نہ لیا۔ بولے! "سینئر ڈاکٹر تو کمپاؤنڈر بنا کر رکھے گا' اف اللہ ہم تو ایم ۔ ایس ۔ سی ہیں!"

"اے دوست! تو پھر آپ اس کو بتلا دیجئے گا کہ آپ عظیم المرتبت رائٹر ہیں!" اختر صاحب نے کہا۔

"پھر ...... پھر ...... کیا ہوگا؟" ہم نے اشتیاق سے پوچھا۔
(ویسے وہاں اشتیاق صاحب تھے تو نہیں)

"پھر یہ ہوگا کہ وہ ادب کا گِرا ہوا مقام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور بھانت بھانت کے مریضوں کی کیس ہسٹری جو مریض بھی بھول چکے ہوتے ہیں وہ آپ سے لکھوانے اور اس میں افسانوی رنگ پیدا کروانے کی آفر کردے گا!"

انہوں نے ہمارا جیا مزید جلایا۔
دوستوں سے مایوس ہو کر ہم نے اگلے روز گھر والوں سے مشورہ کیا اور ان سے کہا :
"بندہ بشر ہے! حشر نشر ہے' فرماؤ صاحبو! کلینک کہاں کو کریں؟"

دادی جان معظمہ نے پہلے تو اپنی ناک پر پڑا چشمہ اونچا کیا پھر ہمیں اوپر سے نیچے گھورتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں فیصلہ صادر فرمایا!
"ننھے' بی آ (بی ۔ اے) اور ایم آ (ایم اے) کی تو کوئی وقعت نہیں۔ یہ اچھا کرا کہ تو نے ڈاگڈری (ڈاکٹری) کرلی۔ بڑھاپے کا باعزت روزگار ہے۔ ایسا کر باتھ روم کے پیچھے کی جگہ خالی ہے۔ وہ آگے کو بڑھا کر کلینک کرلے۔ گندے مندے مریض آویں تو ان کا منہ بھی دھلوا دیجیو !"

"واہ وا ...... واہ وا ...... واہ وا!" ہم دلستان لکھنؤ کے شعرا کرام کی طرح چلا چلا کر داد دینے لگے۔

"آہستہ داد دو' شیخ امام بخش ناسخ آجائیں

گے!"

بڑے بھیا نے کہا۔

"ارے دفع کرو کم بخت کو...... اس کے تو خاندان کے ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔ یعنی بچپن میں محنت مشقت اور جوانی میں کھیل کود!" امّی محترمہ پچھلی عید سے بھری بیٹھی تھیں۔ لہٰذا بقرعید سے پہلے ہی بول اُٹھیں۔ خیر صاحب کلینک کا پہلا دن بھی طلوع ہو گیا (سیانے بتلاتے ہیں کہ اسی شام غروب بھی ہو گیا) ہمارا بول بھی بالا ہو گیا۔

پہلے مریض صاحب تشریف لائے اپنی بیگم کے ساتھ۔

آتے ہی بولے! "زرینہ ...... او زرینہ ...... ڈاک صاحب کو کھل کر کے حال بتلانا۔ بیماری نہ پالنا......"

ہم نے محترمہ زرینہ کو دوا لکھ دی۔ ایک ہفتے کی۔

"ڈاک صاحب زرینہ کا نام تو لکھ دیں۔ نام بتلاؤ نا اپنا ڈاک صاحب کو!"

"جی جرینہ لکھ دیں!" زرینہ صاحبہ نے گھبرا کر کہا۔

چناں چہ ہم نے زرینہ بٹا جرینہ لکھ دیا۔

پہلا مریض رخصت ہوا تو ایک محترمہ آئیں۔ گود میں ان کے ایک ننّھا مُنّا بچّہ تھا اور وہ نومولود تڑپیاں کھا کھا کر رو رہے تھے۔ ہم سمجھے ہم پنجاب اسمبلی میں آگئے ہیں۔ "مُنّے میاں کو کیا تکلیف ہے؟" ہم نے مُنّے میاں کے گال تھپتھپائے۔

"اے ڈاک صاحب! مجھے معلوم ہوتا تو آپ کے پاس لاتی ہی کیوں ...... چُٹکی بجاتے ہی۔"

"جی چُٹکی بجاتے ہی۔" ہم نے اپنے گول چشمے کے پیچھے سے انہیں حیرت سے دیکھا اور پھر مُنّے میاں کا معائنہ کرنے لگے۔ وہ محترمہ بولیں۔ "ڈاک صاحب! کوئی ایسی دوا دیجئے گا کہ منے کا بُخار اُتر جائے چُٹکی بجاتے ہی۔" ہم نے منے میاں کا تفصیل سے معائنہ کیا پھر نسخہ لکھ کر منے میاں کی امی جان کو دے دیا۔ وہ ننھے میاں کو کلیجے سے لپٹائے واپس جانے لگیں۔ "ارے سنیئے فیس تو دیتی جایئے؟"

"اے ہے ڈاک صاحب! بڑا تو میں گھر بھول آئی۔ فیس ابھی بھجواتی ہوں چُٹکی بجاتے ہی۔"

اور ...... چُٹکی بجاتے ہی وہ نظروں کے سامنے سے اوجھل ہو گئیں۔ اور ہم تیسرے مریض کی طرف متوجہ ہو گئے۔ چُٹکی بجاتے ہی۔ اب ہم اپنے کلینک پر سب ہی کو دیکھنے لگے۔ ہر چھوٹے بڑے کو ...... ہر جاہل، عالم کو

...... ہر موٹی پتلی جیب والے کو ..... سب کو ہم نے محمود و ایاز کی طرح ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ یعنی مریضوں کے نمبر لگوا دیئے۔

دوسری عقل مندی ہم نے یہ کی کہ کلینک پر کثیر الاثرات ادویات رکھیں جو ہر مرض میں شفا دے سکیں، ویسے شفا دینے والی واحد ذات اللہ میاں کی ہے۔

ایک مشہور بزرگ تشریف لائے۔ دل کے ..... مریض تھے۔ ہم نے ایک مشہور کارڈیو پروفیسر کو یعنی دل کے مشہور ڈاکٹر کو ریفر کر دیا یعنی پاس بھیج دیا۔

اگلے دن آ کر بولے!

"ڈاکٹر بچے میں نے تو اس پھزیشن کو دکھایا ہی نہیں!"

"وہ کیوں جناب؟" ہم نے پوچھا۔ (بغیر اشتیاق صاحب کے)

"وہ تو نوجوان ڈاکٹروں کو پٹی پڑھا رہا تھا!" قبلہ نے بتلایا۔

پھر ہمیں بعد میں پتا چلا کہ مذکورہ پروفیسر صاحب اپنے طالب علموں کو ای - سی - جی (E.C.G) گراف دیکھنا بتلا رہے تھے۔ یعنی "ای - سی - جی" کی پٹی "سمجھا" رہے تھے، "پڑھا" نہیں رہے تھے!!

ایک بخیل کا انجام

شبیر بیگ ناز

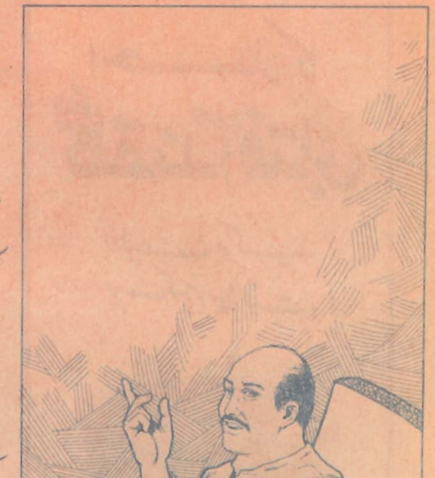

یہ ہے بچّو! ایک بخیل
پیدل چلتا ہے کئی میل
جیب میں اس کی نوٹ بھرے ہیں
تازہ تازہ کھرے کھرے ہیں
کاروبار ہے اس کا تگڑا
کوئی نہ شرکت سانجھ کا جھگڑا
دو دو ہاتھوں روز کمائے
خوب تجوری بھرتا جائے
بچّے اس کے ہیں دیوانے
کپڑے پہنیں پھٹے پرانے
جی بھر کے کھانے کو ترسیں
میلے میں جانے کو ترسیں
باپ کو ان پر رحم نہ آئے
وہ بس اپنے نوٹ بڑھائے
اک دن گھر میں ہوگئی چوری
خالی رہ گئی پڑی تجوری
بُخل کا نازؔ انجام بُرا ہے
دنیا کیا ناراض خدا ہے

چٹخ پٹخ

مرتب : لعل بخش

ایک آدمی اپنی کنجوسی کے لئے بہت مشہور تھا۔ اس نے کبھی کسی کو چائے تک کے لئے نہ پوچھا تھا۔ ایک مرتبہ شہر میں خبر پھیل گئی کہ وہ کنجوس ہر خاص و عام کو ایک بڑی دعوت دے رہا ہے۔ لوگوں نے ہنس کر ٹال دیا۔ ایک آدمی حقیقت جاننے کے لئے کنجوس کے گھر جا پہنچا۔ اس کا نوکر باغیچے میں کام کررہا تھا۔ اس نے نوکر سے پوچھا تو نوکر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ہمارا سیٹھ تو قیامت کے دن ہی دعوت دے گا۔" وہ شخص چلا گیا تو کنجوس نے اپنے نوکر کو بلایا اور ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "کیوں بے! دعوت کا دن مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

☆ --- ☆ --- ☆

دفتر کے اچانک معائنے کے دوران وزیر مملکت نے مینجر سے پوچھا۔

"یہاں کتنے افراد کام کرتے ہیں؟"

مینجر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ "ہر دس ملازمین میں سے کم سے کم ایک شخص ضرور کام کرتا ہے۔"

☆ --- ☆ --- ☆

ایک بار کوئی گورکن کسی قبر میں گر گیا۔ قدموں کی چاپ سنائی دی تو چلایا۔

"ارے! مجھے باہر نکالو' سردی سے برا حال ہے۔" لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں جواب ملا۔ "حال تو برا ہوگا ہی ظاہر ہے لوگ تمہارے اوپر مٹی ڈالنا جو بھول گئے ہیں۔"

☆ --- ☆ --- ☆

بیوی شوہر سے جھگڑا کررہی تھی اور بار بار اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔ "میں یہ حلوہ فقیر کو دے دوں گی تمہیں ہرگز نہیں دوں گی۔"

جھگڑا یونہی ہوتا رہا تو باہر سے یہ صدا آئی۔ "اماں جی! فقیر جائیں یا کھڑے رہیں؟"

☆ --- ☆ --- ☆

فرائی مچھلی کے ایک ہوٹل پر سائن بورڈ تحریر تھا۔

"برائی مچھلی"

کھانے کے بعد ایک شخص نے مینجر کو اس غلطی کی طرف متوجہ کیا کہ "آپ اس بورڈ کی اصلاح کیوں نہیں کراتے؟"

مینجر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اسی غلطی

کی وجہ سے آپ جیسے گاہک اندر آجاتے ہیں۔"

☆ --- ☆ --- ☆

بچہ : (اپنے کنجوس باپ سے) "ابا! آپ میرے فیل ہونے پر اتنے خوش کیوں ہیں؟"

کنجوس باپ : "اس لئے کہ اس دفعہ تمہارے لئے نئی کتابیں خریدنی نہیں پڑیں گی۔"

☆ --- ☆ --- ☆

ایک دوست (دوسرے دوست کو اردو گرامر پڑھاتے ہوئے) "اگر میں یہ کہوں میں خوبصورت تھا تو یہ ہوگا فعل ماضی..... سمجھ گئے ناں؟ ...... اور اگر میں یہ کہوں کہ میں خوبصورت ہوں تو یہ کیا ہوگا؟"

"سفید جھوٹ!" دوست نے معصومیت سے جواب دیا۔

☆ --- ☆ --- ☆

ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا۔ "یار کوئی ایسا طریقہ بتاؤ کہ لوگ مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔" دوسرے دوست نے جواب دیا۔ قرض لے لو ہمیشہ یاد رکھے جاؤ گے۔"

☆ --- ☆ --- ☆

مریض : (دانتوں کے ڈاکٹر سے) "ڈاکٹر صاحب! آپ کئی دنوں سے میرے دانت نکال رہے ہیں اور ہمیشہ غلط دانت نکال دیتے ہیں۔"

ڈاکٹر : "آج یقیناً" صحیح دانت نکالنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

مریض : "وہ کیسے؟"

ڈاکٹر : "اس لئے کہ آپ کے منہ میں اب صرف ایک ہی دانت رہ گیا ہے۔"

☆ --- ☆ --- ☆

دو آدمی سڑک کے کنارے چاقو، ڈنڈا لئے آپس میں بری طرح لڑ رہے تھے اچانک ایک آدمی تیزی سے ان کے قریب آیا اور ایک پرچی ان کے ہاتھ میں تھما گیا دونوں نے پرچی کھول کر پڑھا، لکھا تھا۔

ہمارے کلینک پر گہرے سے گہرے زخم کا تسلی بخش علاج کیا جاتا ہے..... کلینک آپ سے چند قدم کے فاصلے پر ہے۔

☆ --- ☆ --- ☆

لنچ کے وقفے میں باس اپنے ماتحت ملازموں کو لطیفے سنا رہا تھا اور سب زور زور سے ہنس رہے تھے صرف ٹائپسٹ خاموش بیٹھا تھا۔

باس کے جانے کے بعد اس کے ساتھی نے کہا "کیا بات ہے کیا تم میں مزاح کی حس نہیں ہے۔ صاحب کے لطیفوں پر تمہیں ذرا بھی ہنسی نہیں آئی۔"

"اب ہنسنے کی ضرورت نہیں رہی۔" ٹائپسٹ نے جواب دیا۔

"میں کل سے ملازمت چھوڑ رہا ہوں۔" ☆

تجربات

محمد علی انصاری

اور...

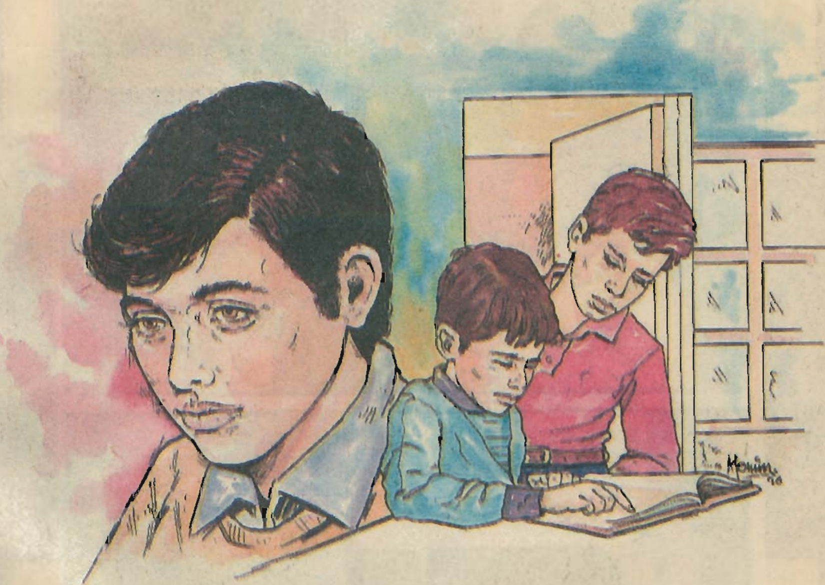

ابنِ آس

اس کی یاد میں دس پندرہ برس گزر چکے تھے۔ مجھے اُمید ہو چکی تھی کہ اب عمر بھر شاید وہ مجھے کہیں نظر نہ آئے گا' میرے اس جملے کا کرب صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں' جن کا عزیز ترین دوست ان سے بچھڑ گیا ہو' اور پھر باوجود کوشش کے وہ دوبارہ نظر نہ آیا ہو۔

میں اس کرب کا شکار تھا اور آخر ایک دن وہ مجھے مل ہی گیا' لیکن ...... ٹھہریے' میں

شروع سے بتاتا ہوں،
مجھے آج بھی اچھی طرح وہ دن یاد ہے جب وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر میرے پاس آیا تھا۔ کلاس میں وہ میرا پہلا دن تھا، میں اسکول میں داخل ہونے سے پہلے گھر پر ہی دو کلاسیں پاس کر چکا تھا۔ میرے گھر کے برابر میں رہنے والی گول مٹول سی مبی باجی نے جن کا اصل نام مبینہ تھا، گھر پر مجھے پڑھا پڑھا کر دو جماعتیں پاس کروادی تھیں۔ پھر ان کے بڑے بھائی جو محلے بھر کے "احمد بھائی" تھے مجھے لے کر اسکول میں میرا نام لکھوانے گئے تھے، پتلی دبلی، معصوم صورت، حیدر آبادی مس سعیدہ نے میرا امتحان لیا اور یوں میں تیسری کلاس میں داخل ہوگیا۔ مس سعیدہ کو پہلے ہی دن میری تحریر کا انداز دل کش لگا تھا۔ اور یہ بات انہوں نے اس وقت بغیر کسی ہچکچاہٹ کے کہہ دی تھی۔ احمد بھائی جو ہر وقت مجھے گلی ڈنڈا، گولیاں اور لٹو کھیلنے پر سزا دینے کے لئے تیار رہتے تھے، جیسے یہی ان کا سب سے بڑا کام ہے، مس سعیدہ کے منہ سے یہ سن کر سخت حیران رہ گئے تھے کہ انہیں میری "رائٹنگ" پسند آئی ہے، انہوں نے میرے سر پر ایک دھپ جماتے ہوئے کہا تھا "کیوں، بے، تو تو بڑا کام کا نکلا"" پھر انہوں نے مس سعیدہ سے کہا تھا "بہت ڈھیٹ بچہ ہے، کسی کے قابو میں نہیں آتا۔ سارا وقت محلے کے گندے بچوں کے ساتھ اُلٹے سیدھے کھیل کھیلنے میں وقت ضائع کرتا ہے، اگر یہ انسان کا بچہ بن گیا تو سمجھو اس کے ماں باپ کی کمائی ٹھکانے لگی۔"

مس سعیدہ کی مسکراہٹ پہلی مرتبہ میں ہی مجھے اچھی لگی۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا "انسان کے بچے تو سب ہی ہوتے ہیں۔ بس تربیت اور ماحول کا فرق کسی کو حیوان اور کسی کو انسان بنادیتا ہے۔"

مجھے کلاس میں بیٹھنے کے لئے اپنے ساتھ ایک کپڑا لانے کی ہدایت کی گئی تھی، دوسرے دن امی نے ایک صاف سا کپڑا، چند کتابیں اور پنسل وغیرہ میرے ہاتھ میں تھمائیں اور وہ کپڑے جو کل شام ہی وہ میرے اسکول میں داخل ہونے کی خوش خبری سن کر بازار سے خرید کر لائی تھیں مجھے پہنا کر، بال بنا کر اور بالوں کا ماتھے پر چاند بنا کر اسکول کی طرف بھیج دیا۔ اسکول ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم اس وقت غریب آباد میں رہتے تھے۔ یہ غریب لوگوں کی کچی بستی تھی۔ جہاں ان دنوں کسی کے گھر میں ٹیلی وژن نہ تھا، بجلی بھی صرف چند ایک گھروں میں تھی گھر سے نکلتے ہی سامنے ریلوے لائن تھی جہاں آئے دن کوئی نہ کوئی حادثے کا شکار ہوجاتا تھا۔ ریلوے لائن کراس کرتے ہی بلدیہ کا پارک تھا

جس میں سوائے درختوں اور زمین پر پھیلی ریت کے کچھ نہ تھا۔ جب تک ہم وہاں رہے میں نے اس پارک میں کبھی گھانس کا ایک تنکا بھی نہ دیکھا تھا' محلے کے بزرگ بتاتے تھے کہ پہلے یہاں گھانس ہوتی تھی اور درمیان میں جو ایک بڑا سا گڑھا ہے۔ یہ تالاب تھا۔ اس تالاب میں ہر ہفتے پانی بدلا جاتا تھا' اور تالاب میں رنگ برنگی کئی مچھلیاں جل پریوں کی طرح تیرتی رہتی تھیں۔ ہو سکتا ہے ایسا کبھی ہوا ہو' ہم نے تو کبھی نہ دیکھا۔ باغ عبور کرتے ہی ایک سڑک تھی۔ جس کا ایک خوفناک موڑ بھی تھا۔ اس خوفناک موڑ پر ہمارے سامنے ہی کئی خوفناک حادثے بھی ہو چکے تھے' مگر پھر بھی لوگ نہ جانے کیوں اس موڑ سے تیزی سے گزرتے تھے اور اکثر اتنی تیزی سے گزرتے تھے کہ بچ بچ گزر جاتے تھے۔ سڑک کے ساتھ ایک وسیع میدان تھا' یعنی میدان اور باغ کے درمیان یہ سڑک تھی' میدان میں کبھی نہیں بھول سکتا' کیونکہ یہ وہی میدان ہے جہاں گلی ڈنڈا اور پھر آخر میں' میں نے کرکٹ کھیل کھیل کر بچپن سے لڑکپن تک کا سفر شروع کیا تھا۔

اس میدان کے اگلی طرف سڑک تھی اور لب سڑک ہمارا بلدیہ کا اسکول تھا۔ پیلی پیلی ٹوٹی ہوئی در و دیوار والا اسکول جسے دیکھ کر نہ جانے کیوں اندر جانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ اسکول کیا تھا' بچوں کو صبح آٹھ بجے سے بارہ بجے تک بند کرنے کا قید خانہ تھا۔ اسکول کی کوئی چیز اچھی نہ تھی۔ مس سعیدہ اچھی تھیں' یا وہ بیری کا درخت جس سے سب ڈرتے تھے کہ اس پر جنات کا سایہ ہے' مگر مجھے بالکل ڈر نہیں لگتا تھا' میں اس کانٹے دار بیری پر آسانی سے چڑھ جاتا اور ڈھیروں بیر توڑ کر ہی اترتا تھا' دروازے کے پاس ایک چوکیدار بیٹھا تھا' اس کا صرف ایک ہی کام تھا کہ اسکول کے بچے کو اسکول کی عمارت سے باہر نہ جانے دے' اپنی اس حرکت کے لئے اسے کچھ ایسے اختیارات بھی حاصل تھے کہ اگر کوئی لڑکا اس کی آنکھ بچا کر یا اپنی ہوشیاری کے سبب یہ جرأت مندانہ کام کر گزرے تو وہ اپنی چھڑی سے اس کی دھنائی بھی کر سکتا تھا۔ ان دنوں وہ چوکیدار بڑا ظالم اور خونخوار دکھائی دیتا تھا' مگر اب محسوس ہوتا ہے وہ اگر اس قسم کے کام نہ کرتا' تو شاید ایک بھی بچہ چھٹی کے وقت گھر جانے کے لئے اسکول میں دستیاب نہ ہوتا۔ کیونکہ تمام بچے پہلے ہی بھاگ چکے ہوتے۔

میں اپنے اس کپڑے پر بیٹھا تھا جو امی نے اسکول جاتے وقت دیا تھا' وہ اٹھ کر میرے پاس آگیا۔ میں اس وقت وہ سبق بورڈ سے اپنی کاپی پر اتار رہا تھا جو مس لکھ کر گئی تھیں' وہ تھوڑی دیر

تک مجھے لکھتے دیکھتا رہا، میں اپنے کام میں منہمک تھا، پھر اس نے کہا "تمہاری رائٹنگ کتنی اچھی ہے۔"

میں نے چونک کر سر اٹھایا، اور تنک کر بولا "پھر! تمہیں کیا؟"

وہ سٹ پٹا گیا مگر جلدی سے بات بناتے ہوئے بولا! مس کل کہہ رہی تھیں، کل ایک ایسا بچہ کلاس میں نیا آئے گا، جو پڑھائی میں سب سے تیز ہو گا۔"

"اچھا! مس نے یہ کہا تھا۔" میں نے آنکھیں پٹ پٹا کر کہا، مجھے اس کے منہ سے یہ سُن کر بہت اچھا لگا تھا کہ مس اتنی ذہین ہیں، انہوں نے ایک ہی ملاقات میں اندازہ لگالیا تھا کہ میں کلاس کے سب بچوں سے ذہین ہوں۔ میں نے کہا "مس سعیدہ بہت اچھی ہیں، میرا خیال ہے، وہ صرف سچ بولتی ہیں، کیا تمہارا بھی یہی خیال ہے کہ میں سب سے ذہین ہوں؟" میں نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں!" اس نے سختی سے کہا، پھر مزید بولا "ہاں البتہ تمہاری رائٹنگ سب سے اچھی ہے، مجھے بتاؤ، تمہاری رائٹنگ اتنی اچھی کیسے ہوئی؟"

میں نے بڑے فخر سے کہا "مبی باجی ہیں نا!"

"کون مبی باجی؟" اس نے حیرت سے پوچھا،

"لو تم مبی باجی، کو نہیں جانتے؟ وہ ہمارے گھر کے پاس رہتی ہیں، ان کا پورا نام، مبینہ ہے مگر سب مبی باجی کہتے ہیں، وہ مجھے پڑھاتی ہیں، روزانہ تختی پر مشق کرواتی ہیں"

"اچھا، تو تم تختی لکھتے ہو؟"

"ہاں، وہ کہتی ہیں تختی پر لکھنے سے رائٹنگ اچھی ہوتی ہے۔"

"تم مجھ سے دوستی کرو گے" اس نے اچانک پوچھا،

"ہاں، لیکن پہلے یہ بتاؤ، "تم گولیاں کھیلتے ہو؟"

"ہاں، کھیلتا ہوں، میں اپنے علاقے کا چیمپئن ہوں میرا دھک (نشانہ) بہت تیز ہے۔ میں آج تک کسی سے نہیں ہارا، میرے پاس پانچ سو گولیاں ہیں، اور میں نے صرف تین گولیوں سے کام بنایا تھا۔"

"اور لٹو؟" میں نے اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا، کیونکہ میں کسی سے پہلی ملاقات میں مرعوب ہونا نہیں چاہتا تھا،

اس نے کہا "لٹو بھی کھیلتا ہوں، اور گلی ڈنڈا بھی۔" "کیا تم نے گلی ڈنڈا بھی کھیلا ہے؟"

"لو اور سنو، گلی ڈنڈا کا تو میں چیمپئن ہوں، ایک ٹول میں لاہور پہنچا دیتا ہوں۔"

"اچھا!!" وہ حیران رہ گیا۔ شاید اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں ایک ٹول مار کر گلی کو لاہور بھی

پہنچا سکتا ہوں' میں نے اسے یقین دلانے کے لئے کہا "اگر تمہیں یقین نہ ہو تو کبھی کھیل لینا۔ بلکہ میچ رکھ لو۔"

"نہیں، ابھی گلی ڈنڈے کا موسم نہیں ہے' گولیاں کھیلنا چاہو تو کھیل لینا۔"

میں نے کہا "جب جی چاہے۔"

اس نے کہا "میں ادھر بھنگوریہ گوٹھ میں رہتا ہوں' میرے گھر آؤ تو تمہیں اپنے گھر کے قریب بیر کے باغ دکھاؤں گا' وہاں یہ بڑے بڑے بیر ہوتے ہیں" اس نے ہاتھ کے اشارے سے بیر کا سائز بتایا۔ میری ہنسی چھوٹ گئی' میں نے کہا "بے وقوف اتنے بڑے تو سیب ہوتے ہیں۔" وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

یہ میرا اس سے پہلا تعارف تھا' میری اس سے دوستی پکّی ہو گئی' اس کا نام وسیم چوہان تھا۔ سب اسے وسیم کہتے تھے۔ مس سعیدہ جب حاضری لیتے وقت وسیم احمد کہتیں تو میں کہتا "مس اس کا نام وسیم احمد چوہان ہے' سب لڑکے اور خود وسیم بھی چوہان پر ہنسنے لگتا۔ وہ بہت ڈرپوک تھا' کوئی اسے کلاس میں چھیڑتا تو یا تو وہ رونے لگتا یا پھر خاموشی سے واپس کلاس میں آجاتا' ایک دن انٹرویل میں اسے کسی نے مارا وہ روتے ہوئے میرے پاس آیا' تب تک ہماری دوستی بہت پکّی ہو چکی تھی۔ "کیا ہوا' کیوں رو رہے ہو؟"

"بڑی کلاس کے لڑکے نے مارا ہے؟" اس نے روتے ہوئے کہا'

"کیوں؟" مجھے غصہ آگیا'

"پانی کی ٹنکی کے پاس میں پانی پی رہا تھا' اس نے مجھے دھکا دیا اور پانی بھی نہیں پینے دیا' کہنے لگا' پہلے بڑی کلاس کے لڑکوں کا حق ہے۔"

میں نے کہا آؤ' ذرا اس بدمعاش کو دیکھتے ہیں۔" اس وقت تک نہ صرف پڑھائی بلکہ مارکٹائی میں بھی ہماری دھاک بیٹھ چکی تھی۔ اسکول کے کئی لڑکے میرے پھڈوں اور جھگڑوں سے خاصے مرعوب ہو چکے تھے۔ وہ لڑکا ابھی تک پانی کی ٹنکی کے پاس کھڑا اپنی دادا گیری دکھا رہا تھا' میں نے اس کی پشت پر ایک زور دار ہاتھ جڑ دیا۔ وہ ایک جھٹکے سے کیچڑ میں جاگرا' یہ میرے دوست کے ساتھ زیادتی کرنے اور اسے پانی نہ پینے دینے کا بدلہ تھا مگر میں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے سر پر پہنچ گیا' وہ صحت میں مجھ سے کم تر نہیں تھا' اس نے کیچڑ میں لت پت ہونے کے باوجود کھڑا ہونے میں دیر نہیں لگائی' اور پھر کچھ دیر بعد ہم دونوں کیچڑ میں لت پت گتھم گتھا تھے' چاروں طرف لڑکے جمع ہو گئے' اور خوب شور ہونے لگا' دونوں کے حمایتی اپنے اپنے ساتھی کا حوصلہ بڑھا رہے تھے' ایسے میں

طوفان آگیا' طوفان ہم اسکول کی ہیڈ مس کو کہتے تھے' وہ کسی طوفان میل سے کم نہ تھیں' بے پناہ سخت (مزاج میں) اور بے پناہ موٹی تھیں' ان کو دیکھ کر سب کی سٹی گم ہو گئی اور سب نو دو گیارہ ہو گئے' ہیڈ مس جن کا نام مس خان تھا۔ ہمیں کان سے پکڑ کر اپنے کمرے میں لے آئیں' اس بڑے واقعے کی سزا بہت چھوٹی تھی' محض ایک گھنٹہ مرغا بننے کے بعد ہم پھر ہشاش بشاش اور چاق و چوبند تھے۔

زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ مس سعیدہ جن کا میں پسندیدہ طالب علم تھا۔ مجھ سے سخت ناراض ہو گئیں اور یہ ان کی ناراضگی تھی کہ جس کو دیکھ کر میں خود کو بدل لینے پر مجبور ہو گیا' مجھے احساس ہو گیا کہ میں غلطیوں پر غلطیاں کرتا ہوں اور ...... ایک بُرے بچے کا تاثر قائم کر رہا ہوں' وسیم نے کہا "اختر تم ایسا کرو' میرے ساتھ گھر چلو' اور میرے کپڑے بدل لو' نہا بھی لینا' میں فوراً" تیار ہو گیا' امی کی ڈانٹ اور احمد بھائی کی مار کا خوف کہ جب وہ میری یہ حرکت سُنیں گے تو بہت بُرا ہو گا۔ وسیم کی امی اور باجی بہت اچھی تھیں' بہت محبّت اور شفقت سے پیش آتیں' میں تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اتنی اچھی بھی ہو سکتی ہیں' باجی نے جلدی جلدی وسیم کے کپڑے میرے لئے استری کر دیئے اور امی نے غسل خانے میں پانی تیار کر دیا' میں نہا کر صاف سُتھرے کپڑے پہن کر غسل خانے سے باہر نکلا تو تب تک وسیم ساری کارروائی اور میری تعریفیں ان کے گوش گزار چکا تھا۔ وسیم کی امی نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا' اور دعائیں دیتے ہوئے کہا "خوش رہو بیٹا' لیکن' یاد رکھو' لڑنا بُری بات ہے' اسکول میں پڑھنے جاتے ہیں' لڑنے نہیں' آئندہ کسی سے جھگڑا مت کرنا' میں جو اس بات پر خوش ہو رہا تھا کہ اس کی امی میری تعریف کریں گی کہ میں وسیم کے لئے کسی سے لڑ بھی سکتا ہوں' اُلٹا انہوں نے نصیحت کر دی' میں خوامخواہ کھسیانا سا ہو گیا' ان کی امی نے کہا "وسیم کہتا رہتا کہ تم پڑھائی میں بہت تیز ہو' بہت ذہین ہو۔"

میں نے فوراً" اس کا اقرار کر لیا' آخر اس میں بُرائی کیا تھی؟ انہوں نے کہا "تو پھر آج سے وعدہ کرو' تم کوئی شرارت نہیں کرو گے' کسی سے لڑو گے نہیں' دل لگا کر پڑھو گے پڑھائی میں ایک دوسرے کی مدد کرو گے ہم نے وعدہ کیا کہ ہماری یہ دوستی کوئی ختم نہیں کر سکے گا۔ ہم اچھے بچے بن کر دکھائیں گے پھر ایسا ہی ہوا' رفتہ رفتہ ہم سدھرتے گئے' ہم نہیں بلکہ میں کیونکہ' وسیم تو پہلے ہی سیدھا سادا اور سہما سہما سا رہتا تھا' میں اس کے ساتھ ہی اس کے گھر جا کر پڑھنے بھی لگا۔ اس دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ وہ پڑھائی

میں خاصا کمزور ہے۔ میں اپنی تیاری کے ساتھ اسے بھی پڑھانے لگا' اس کی امی ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر خوش ہوتی تھیں۔ انہیں میں بہت پسند آگیا تھا۔ پھر جب عید آئی تو ہم دونوں پہلی مرتبہ اس کے گھر کے قریب بیروں کے باغ میں گئے' اس نے سرخ سرخ بیر توڑ کر مجھے کھلائے' میں نے بھی خوب سرخ سرخ بیر توڑے اور امی اور باجی کے لئے بچا کر ساتھ لے گیا' ان کے چہرے کھل گئے' امی نے میرا ماتھا چوما اور میری کلائی پر بالکل ویسی گھڑی باندھی جیسی وسیم کے ہاتھ میں بندھی تھی' وسیم چہکا' "آہا...... اختر کے لئے نئی گھڑی..... اور میرے لئے۔"

"بیٹا تمہارے پاس بالکل ایسی ہی گھڑی ہے تو۔" امی نے کہا "مگر یہ تو پرانی ہے۔" وسیم نے کہا۔

میں نے محسوس کیا کہ وسیم کا دل ذرا بجھ سا گیا ہے' میں نے فوراً" نئی گھڑی اتار کر اسے دے دی اور کہا' اپنی گھڑی مجھے دے دو۔"

وسیم نے فوراً" کہا "نہیں یار' میں تو امی سے مذاق کررہا تھا' بھلا گھڑی کے نئی اور پرانی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"نہیں' تم یہ لو' مجھے تمہاری یہ گھڑی پسند ہے' تم سمجھ لو' میری طرف سے نئی گھڑی کا تحفہ۔"

"یہ بات ہے تو لو' پرانی گھڑی کا تحفہ!" اس نے ہنستے ہوئے گھڑی اتار کر مجھے دے دی۔

میں نے کہا "گھڑی کے نئی اور پرانی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے' اصل بات تو وقت کی ہے' گھڑی نئی ہو جب بھی اور اگر پرانی ہو تب بھی' وقت کا کام گزر جانا ہے' وہ کسی کی کلائی پر ٹھہرتا نہیں ہے۔"

باجی سوّیاں اور شیر خُورمہ لے آئیں ہم دونوں ہنستے رہے اور کھاتے رہے ..... یہ ایک یادگار عید تھی' اور پھر تین سال تک ہر عید ایسی ہی خوشگوار رہی۔ پانچویں کلاس تک ہم زینہ بہ زینہ قدم بہ قدم ساتھ ساتھ رہے' ہم ایک دوسرے کی جان تھے' ایک دوسرے کی پہچان۔ پانچویں کے بعد ہم دونوں کے اسکول جدا ہوگئے۔ اچھے نمبر آنے کی وجہ سے میرا داخلہ قدرے بہتر اسکول میں ہوگیا۔ جبکہ وسیم نے ٹیکنیکل اسکول میں داخلہ لے لیا' مگر ہم جدا پھر بھی نہ ہوئے' اسکول سے واپسی پر میں اس کے گھر چلا جاتا۔ ہم دونوں ساتھ کھانا کھاتے' باتیں کرتے' مستقبل کی' پڑھائی کی' اور....... اور پھر میں گھر آجاتا وسیم اکثر کہتا تھا' "یار اختر' مجھے تو ایسا لگتا ہے' میں اب تمہارے بغیر رہ نہیں سکوں گا' خدا نہ کرے کہ ہماری اس دوستی میں کبھی رخنہ آئے'" وقت گزرتا رہا' ہم دونوں چھٹی سے ساتویں' پھر آٹھویں اور پھر نویں آگئے' اور

پھر اچانک سب کچھ تہس نہس ہوگیا' ہمارے گھریلو حالات کچھ ایسے ہوگئے کہ ہمیں غریب آباد کا گھر بیچنا پڑا' گھر بیچ کر ہم اورنگی ٹاؤن منتقل ہوگئے۔ میں نے تعلیم کو خیرباد کہہ کر مزدوری شروع کردی۔ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ میں وسیم سے آخری ملاقات بھی نہ کرسکا' دن بھر راج مستریوں کے ساتھ سیمنٹ اور اینٹ کا کھیل' کھیل کر جب واپس شام کو گھر آتا تو جسم میں اتنی سکت نہ ہوتی تھی کہ کہیں نکلا جاتا' گھر آتا اور پھر ایسی بھرپور نیند آتی کہ تمام فکروں سے بے فکر ہوجاتا' رمضان آئے اور میں بے چین ہوگیا' بڑی شدت سے وسیم یاد آیا' لیکن یاد آنے کے باوجود نہ جاسکا' مزدور روز کام کرتے ہیں' روز کماتے ہیں' پھر عید بھی سر پر تھی' چھوٹے بھائیوں کے لئے بہت کچھ خریدنا تھا' چلو عید پر جاؤں گا' میں نے سوچا اور پھر مگن ہوگیا' عید کے دن نماز سے فارغ ہو کر بس میں بیٹھا اور راستے بھر اپنے جگری دوست سے ملنے کا تصور لئے مسرور ہوتا بھنگوریہ گوٹھ پہنچا۔ دروازے پر ایک بڑا سا تالہ میرا منہ چڑا رہا تھا' میں سٹ پٹا گیا' برابر والے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا' ایک بچہ باہر نکلا' میں نے وسیم اور اس کے گھر والوں کا پوچھا تو اس نے کہا "وہ لوگ تو بہت دن ہوئے یہ گھر چھوڑ کر چلے گئے۔" "کہاں گئے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا اس نے کندھے اچکائے اور کہا "معلوم نہیں!" میں بے چینی کے عالم میں گلی کے ہر دروازے پر دستک دے کر ان کے بارے میں پوچھتا چلا گیا' مگر کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گئے ہیں' کچھ نے کہا کہ شاید پنجاب چلے گئے ہیں' کسی نے کہا حیدرآباد چلے گئے ہیں' میں یونہی گلیوں میں بھٹکتا پھرتا شاید کوئی شناسا مل جائے اور اسے معلوم ہو کہ وہ کہاں ہے؟ میں ناکام و نامراد واپس چلا آیا۔ یہ عید سوگ میں گزری' عید کا دن میرے لئے کسی عذاب سے کم نہ تھا' میں سارا دن کمرے میں پڑا اسے یاد کرتا' سرخ سرخ بیروں کی یاد ستاتی' امی کی شفقت یاد آتی' باجی کی محبت رلاتی' اس کی دوستی دل تڑپاتی' میں سوچتا وہ میرے لئے کتنا تڑپتا ہوگا' میں تو اس کے بغیر رہ بھی لیتا تھا مگر اس کو تو میرے بغیر چین ہی نہیں آتا تھا' اسے مجھ سے اتنی ہی انسیّت تھی' وہ میرا سہارا تھا' اس کی دوستی کے بعد کسی اور سے میری دوستی نہ ہوسکی' میں ہر لڑکے میں اس کی خاصیتیں' اس کی محبت' اس کا پیار تلاش کرتا' اور ناکام رہتا' رفتہ رفتہ تنہائی کا شکار ہوتا چلا گیا' دس سال کی دس کرب ناک عیدیں میں جھیل چکا تھا' شاید وہ بھی اس شدومد سے مجھے یاد کرتا ہوگا' وہ تو اتنا کمزور ہے کہ مجھے یاد کرتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہوں گے' اس

کی امی اسے چپ کراتی ہوں گی' باجی دلاسہ دیتی ہوں گی' "وسیم رونا اچھی بات نہیں ہے' اب کی عید پر انشاء اللہ وہ تمہارے پاس ہوگا۔" دس سال گزر گئے۔ اس کا پتا نہ چلا۔

ایک دن میں کسی کام سے عزیز آباد دو نمبر گیا۔ کچھ بھوک سی محسوس ہورہی تھی۔ بس سے اترتے ہی سامنے ایک بیکری نظر آئی تو میں بیکری میں داخل ہوگیا اور پھر مارے خوشی کے میرے قدم لرزنے لگے میرے سامنے وسیم کھڑا تھا۔ وہ ذرا سا بھی تبدیل نہیں ہوا تھا۔ صرف قد ذرا نکل گیا تھا۔ میری دلی کیفیت عجیب سی ہوگئی۔ وہ کسی کو پاپے تول کر دے رہا تھا جیسے ہی وہ پاپے تول کر فارغ ہوا میں دوڑ کر اس کے سامنے پہنچ گیا اور اس کے سامنے مجسمہ کی صورت کھڑا ہوگیا۔

"جی فرمایئے" اس نے نظریں اٹھائے بغیر پوچھا۔ اس کی آواز بھی اب تک' بالکل ویسی تھی۔

میں کچھ نہ بولا' بس اسے دیکھتا رہا' چند لمحے گزر گئے تو وہ باقاعدہ کام چھوڑ کر میری طرف متوجہ ہوا' "جی!" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ میں نے کہا "لگتا ہے تم نے پہچانا نہیں۔"

اس بات پر وہ چونکا' اور غور سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "معاف کیجئے گا' میں نے واقعی آپ کو نہیں پہچانا؟"

میرے اندر جیسے ٹوٹ پھوٹ شروع ہوگئی۔ مگر میں نے اپنے حواس مجتمع کئے اور قدرے پرسکون ہو کر بولا۔ "بڑے افسوس کی بات ہے یار..... تم مجھے نہیں پہچان پارہے ہو.....۔" اس نے ایک لمحہ کو سوچا پھر اسی سپاٹ انداز میں بولا "آپ اپنا تعارف تو کرائیں۔ ایسے میں کیسے پہچان سکتا ہوں۔ میں تو آپ کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"اوہ!" میرے منہ سے نکلا' پھر میں نے باقاعدہ اسے یاد دلاتے ہوئے کہا۔ "آج سے پندرہ سال پہلے کی باتیں یاد کرو......"

وہ ہنس پڑا .... "کمال کرتے ہیں آپ بھی' زندگی اس قدر مصروف ہوگئی ہے کہ ایک دن پہلے کی بات یاد نہیں رہتی' اور آپ پندرہ سال پیچھے لے جارہے ہیں .... ویسے مجھے آپ کی شکل کچھ جانی پہچانی لگ رہی ہے۔"

میں نے اپنے اندر کے بکھرتے ہوئے وجود کو سنبھالتے ہوئے اس پر گویا دھماکہ کیا۔ "میں اختر ہوں' تمہارا بچپن کا جگری دوست ......اختر......"

"اس دھماکے نے اس کا کچھ نہ بگاڑا' وہ اسی طرح گم سم کھڑا سوچتا رہا پھر یاد کرتے ہوئے بولا ...... "اوہ ...... وہ اختر ...... جو میرے ساتھ

پڑھتا تھا...... اچھا اچھا ہاں یاد آگیا......" اس نے اسی سپاٹ انداز میں کہا' میرے ارمانوں پر اوس پڑگئی' میں سمجھا تھا کہ وہ میرا نام سنتے ہی اچھل پڑے گا اور دوڑ کر میرے گلے لگ جائے گا۔ اتنا عرصہ دور رہنے کا شکوہ کرے گا' مگر...... اس کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ میں اسے یاد بھی نہیں تھا۔

میں نے کہا "یار کہاں چھپ گئے تھے' میں تمہیں تلاش کرتا رہا' اب دیکھ لو' آخر تمہیں ڈھونڈ لیا۔"

"ہاں یار' دنیا ہے بڑی مختصر' لوگ کہیں نہ کہیں ٹکر ہی جاتے ہیں۔" اس نے کہا' اسی اثنا میں ایک دو گاہک آگئے' وہ ان کی طرف متوجہ ہوگیا' میں اب تک کھڑا ہی تھا' اس کے قریب اندر کرسیاں رکھی ہوئی تھیں' اس نے مروت میں بھی بیٹھنے کا نہیں کہا' میں کھڑا رہا' وہ فارغ ہوا تو شوکیس میں رکھے بسکٹوں کی ترتیب درست کرنے لگا' میں کھڑا اس بے مروت کو دیکھتا رہا' پھر اس نے قریب رکھے پانی کے کولر سے پانی نکال کر غٹاغٹ پیا۔ اور پلٹا تو ایسے چونکا' جیسے اب تک میری موجودگی سے بے خبر رہا ہو' یا پھر یہ سمجھا ہو کہ میں چلا گیا ہوں' "او!" اس کے منہ سے نکلا اور پھر وہ بسکٹوں سے کھیلنے لگا...... میں نے کہا "ایک گلاس پانی ملے گا....."

☆ اپنی چند لمحوں کی خوشی کے لئے کسی کی مسکراہٹ نہیں چھیننی چاہئے۔
☆ بلا ضرورت کوئی چیز نہ خریدنی چاہئے کہ وہ کتنی ہی سستی کیوں نہ ہو۔ مرسلہ: نعیم احمد

"پانی؟" اس نے کہا اور کولر سے پانی بھرنے لگا' میرا وجود یوں ہوگیا جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو' وہ پانی لے کر پلٹا اور میں نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر ہونٹوں سے لگالیا۔

"اور ...... اختر..... کیسی گزر رہی ہے؟" مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کا لہجہ اتنا سپاٹ ہوچکا ہوگا۔

"بس یار...... گزر ہی رہی ہے' کچھ گزر گئی' کچھ گزر جائے گی......" میں نے کہا...... میرے الفاظ کھوکھلے ہوچکے تھے' ان میں زندگی دم توڑ چکی تھی۔

چند گاہک پھر آگئے تھے......

"اور......!" اس نے اپنا تکیہ کلام دہرایا اور گاہکوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوا بولا "آنا یار' کبھی ..... بلکہ ادھر آنا ہوا کرے تو آجایا کرو...." وہ گاہکوں میں مگن ہوگیا.....اور....

اور...... میں اکیلا ہی عید گاہ کی جانب چل پڑا!!

محمد علی انصاری

کسی سرسبز جنگل میں کہیں ندیا کنارے پر
پرندے تھے بہت سارے جمع ایک پیڑ کے اوپر

بحث یہ کررہے تھے سب کہ ان کا بادشاہ بھی ہو
مگر سب کی زباں پر تھا بنائیں بادشاہ کس کو

کہا طوطے نے یہ سب سے کہ میری بات بھی سُنئے
وہ جس کی اونچی ہو پرواز اس کو بادشاہ چُنئے

یہ بولا سُن کے چمگادڑ یہ میری عرض ہے سب سے
بھلا جب شیر ہے تو پھر کسی کی کیا ضرورت ہے

کہا کوئل نے یہ اس سے! ہم اس کو سربراہ مانیں؟
وہ ہم میں سے نہیں تو کیوں اسے ہم بادشاہ جانیں؟

یہ بولی فاختہ سب سے فسادی ہے یہ چمگادڑ
ضرور اس کا کوئی مقصد ہے کرتا ہے جبھی بڑ بڑ

ہے اس کو ڈر اگر ہوگا ہمارا بادشاہ کوئی
تو وہ پوچھے گا یہ اس سے کہ بتلاؤ ہمیں خود ہی

تم آخر کیا ہو چمگادڑ پرندے ہو یا چوپائے
مگر یہ بات ایسی ہے بھلا یہ کیسے بتلائے

یہ چمگادڑ نے جب دیکھا یہاں میری نہیں چلتی
تو سب کو اک نظر دیکھا زباں پھر اپنی بند کرلی

وہ سارے غرض طوطے ہی کے کہنے پر ہوئے راضی
اڑے تو سب کی خواہش تھی کہ میں ہی جیت لوں بازی

مگر سب تھک کے واپس آگئے شہباز نہ آیا
ذرا ہی دیر گزری تھی کہ وہ اڑتا ہوا آیا

یہ سب نے رائے دی کہ بادشاہ شہباز ہی ہوگا — مگر کوئل یہ بولی فیصلہ یہ بعد میں ہوگا
سبھی موجود ہیں لیکن کیوں چمگادڑ نہیں آیا — کہا تھا اتنا کوئل نے کہ وہ اُڑتا ہوا آیا
کہا آتے ہی اب میں بادشاہ بن جاؤں گا سب کا — اُڑا ہوں سب سے اونچا سربراہ کہلاؤں گا سب کا
کہا ہُدہُد نے تم اتنا تو اونچا اُڑ نہیں سکتے — زمیں پہ اتنا اڑنے کی تو تم ہمّت نہیں رکھتے
کہا شہباز نے اس سے ابھی میں پوچھ لیتا ہوں — بتا بے کیا کیا تونے ابے بک! تجھ سے کہتا ہوں
ہوا جب خوف چمگادڑ کو تو کہنے لگا یارو — بتاتا ہوں خدا کے واسطے مجھ کو نہ تم مارو
اُڑے جب سب تو میں پھر پیٹھ پر شہباز کی بیٹھا — نہ ہونے دی خبر میں نے نہ ہی اس نے مجھے دیکھا
ہوا تھک کر یہ جب واپس تو اُترا پیٹھ سے اس کی — میں تازہ دم تھا اور اوپر اُڑا کرنے ہوا خوری
ہوئی ہے اس طرح اونچی میری پرواز تم سب سے — ذہانت کی وجہ سے آج میں جیتا ہوں تم سب سے
ذہانت بادشاہ ہوں کے لئے بے حد ضروری ہے — بنا اس کے تو ساری بادشاہت ہی ادھوری ہے
سُنی یہ بات چمگادڑ کی تو شہباز نے فورا" — پکڑ کر ایک جھٹکے سے ہی اس کی توڑ دی گردن
کہا بے شک ذہانت بھی بڑی اک چیز ہوتی ہے — مگر ناحق ہو تو شیطانیت کے بیج بوتی ہے
سنو یارو! منافق ہر جگہ بدنام ہوتا ہے — وہ چاہے جتنا دانا ہو یہی انجام ہوتا ہے

وٹامن اے کی کمی سے ہر سال تقریباً ڈھائی لاکھ بچے اندھے ہو جاتے ہیں۔ آئیوڈین کی کمی سے ہر سال ایک لاکھ ۲۰ ہزار بچے پسماندہ پیدا ہوتے ہیں اور ذہنی پسماندگی کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی ہے جس سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ یونیسیف کا کہنا ہے کہ ایک بڑے اقدام کے ذریعہ ان دونوں چیزوں کی کمی کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔

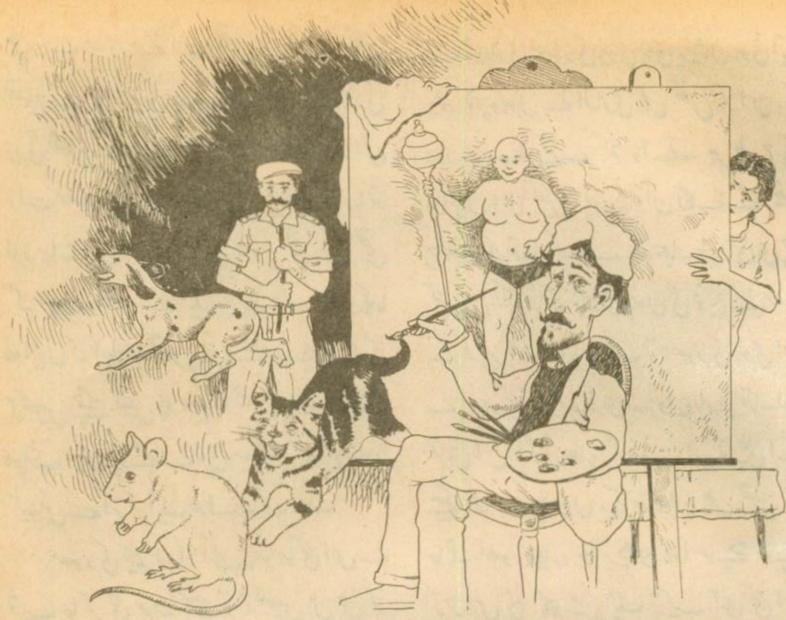

ایک کہانی وٹ پٹانگ سی

قاضی فضل

لوگ کہتے تھے کہ اس کی انگلیوں میں جادو ہے وہ جو بھی تصویر بناتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ابھی تھوڑی دیر میں بول اُٹھے گی وہ ملک کا بلکہ یوں کہیں کہ دُنیا بھر کا جانا پہچانا مشہور و معروف مصوّر تھا۔ اس کی تصویریں فن کا اعلیٰ شہہ کار تصوّر کی جاتی تھیں۔ جب اس کی تصویروں کی نمائش ہوا کرتی تو آرٹ گیلری میں لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ جایا کرتے ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی کہ وہ اس عظیم فنکار کے فن پاروں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکے۔

لیکن ان دنوں مصوّر بیچارہ بہت پریشان تھا۔ دراصل ہوا یوں تھا کہ کچھ عرصہ پہلے مصور نے ایک چوہے کی تصویر بنائی تھی۔ تصویر حقیقت کے اتنا قریب تھی کہ پہلی نظر میں تو دھوکا ہوجاتا تھا کہ یہ کوئی اصلی چوہا ہے بلکہ مصور کی بیوی تو چوہے کی تصویر دیکھ کر باقاعدہ ڈر بھی گئی تھی۔ بعد

میں جب مصور نے اسے یقین دلایا کہ یہ محض تصویر ہے تو اس کی بیوی بڑی مشکل سے ڈرتی ڈرتی تصویر کے قریب آئی تھی پھر ہوا یوں کہ اس رات مصور اپنی آرام دہ کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا اور سامنے ہی اس چوہے کی تصویر لگی ہوئی تھی کہ اچانک مصور نے ایک حیرت ناک منظر دیکھا ہوا یوں کہ اچانک تصویر میں بنے ہوئے چوہے کی آنکھیں چمکنے لگیں پھر اس کا جسم بھرا بھرا لگنے لگا اچانک میاں چوہے نے اپنی مونچھیں ہلائیں اور کینوس سے اُتر کر ایک طرف بھاگ لئے۔

مصور کی نیند فوراً "اُڑن چھُو ہو گئی اس نے قریب جا کر کئی مرتبہ کاغذ کو آنکھیں مل مل کر دیکھا مگر وہاں چوہے کے ہلکے سے خاکے کے سوا کچھ نہ تھا تمام رنگ چوہا اپنے ساتھ لے گیا تھا اب تو حیرت، خوف اور خوشی کی مِلی جُلی کیفیات مصور پر طاری ہو گئیں اور پھر جب حیرت اور خوف زائل ہوا تو صرف خوشی باقی رہ گئی اس بات کی خوشی کے اس کی تخلیق نے زندگی پالی تھی۔

لیکن مصور کی یہ خوشی بہت زیادہ دیرپا ثابت نہ ہو سکی صرف چند دنوں میں میاں چوہے نے گھر بھر کا ناک میں دم کر دیا کبھی وہ ٹوکری میں رکھے فروٹ کُتر جاتے تو کبھی روٹی کی ڈلیا میں سے برآمد ہوتے اور پھر کچھ ہی روز میں اس پڑوس کے کئی چوہوں کو بھی اپنے ہاں آنے کی دعوت دے ڈالی اب تو بیچاری مصور کی بیوی بڑی پریشان ہوئی ایک دفعہ تو چوہوں نے الماری میں گھُس کر اس کے سارے نئے کپڑے کُتر ڈالے۔ ہر طرح کی دوائیاں ڈالی گئیں، چوہے دان لگائے گئے لیکن چوہوں کی تعداد کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی گئی یوں لگتا تھا کہ جیسے چوہوں کی فوج نے مصور کے گھر پر حملہ کر دیا ہو اب تو مصور کی بیوی اس کے سر ہو گئی کہ تم نے ہی یہ مواچوہا بنایا تھا۔ اب تم ہی اس کا کوئی علاج کرو ورنہ میں تو چلی اپنے میکے مجھ سے چوہوں کے خاندان میں نہیں رہا جاتا۔ مصور بیچارہ بڑا پریشان ہوا سوچتے سوچتے آخر اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آ ہی گئی اس نے جلدی جلدی اپنی پینٹنگ کا سامان نکالا اور چند منٹوں میں ایک خوبصورت بلی کی تصویر کینوس پر منتقل کر دی اور پھر ایک طرف بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگا کچھ ہی دیر بعد بلّی نے اپنی دم ہلائی اور حلق سے ہلکی ہلکی غُراہٹ کی آواز نکالی اور پھر قریب گھومتے ہوئے ایک چوہے پر جھپٹ پڑی اب تو مصور خوشی کے مارے ناچنے لگا اس کی ترکیب کارگر رہی اور بلی نے دو تین دن کے اندر اندر گھر کو چوہوں سے پاک کر دیا لیکن مصور کی یہ خوشی بھی عارضی ثابت ہوئی چوہوں کی مصیبت ختم ہو گئی تو بلی بلائے جان بن گئی ابھی دودھ لا کر رکھا گیا تو چند منٹوں بعد خالی بالٹی منہ چڑا رہی ہے، کبھی سالن

کی پتیلی اُلٹی پڑی ہے اور کبھی چھینکے میں رکھے ہوئے انڈے زمین بوس..... ہیں۔ لیکن اب مصور کے ذہن میں ایک ترکیب پہلے سے موجود تھی۔ چنانچہ جب بلی کی حرکتیں حد سے بڑھنے لگیں تو مصور نے ایک خونخوار کتے کی تصویر بنائی اور پھر کچھ ہی دیر بعد بلی صاحبہ گھر چھوڑ کر بھاگ گئیں تھیں اور ایک ہیبت ناک کتا اپنی دل ہلا دینے والی آواز سے بھونکتا پھر رہا تھا۔ مصور کی بیوی کی تو جان پر بن گئی وہ بیچاری کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئی کہ جب تک تم اس ملک الموت کو گھر سے نہ نکالو گے میں تو باہر نہیں آسکتی بڑی مشکل سے مصور نے کتے کو چمکار چمکار کے گھر سے باہر نکالا اور دروازہ بند کرلیا اب دونوں میاں بیوی کی جان میں جان آئی۔ لیکن اب ایک نئی آفت آئی یعنی یہ کہ کتے کو جب بھی بھوک لگتی وہ کسی پڑوسی کی مُرغی پکڑلیتا اور کھا جاتا پھر روزانہ مصور کا اپنے پڑوسیوں سے جھگڑا ہوتا اور آخر کار مُرغی کے دام مصور کو ادا کرنے پڑتے اور پھر ایک دن تو غضب ہوگیا کتے نے قریب سے گزرنے والے آدمی کے ایک ریٹائرڈ آفیسر کو کاٹ کھایا اور کاٹا بھی اس بُرے طریقے سے کہ ان کی پنڈلی کی ہڈی صاف نظر آنے لگی چنانچہ انہوں نے فوراً" دو کام کئے ایک تو پاگل کتا پالنے کے جرم میں بیچارے مصور کو تھانے میں بند کروادیا۔ دوسرے اس ہی شام ایک پریس کانفرنس بلا کر سیاست میں آنے کا اعلان کردیا۔

ادھر بیچارہ مصور تھانے کے اندر مچھروں سے لڑلڑ کر ٹائم پاس کررہا تھا وقت گزاری کے لئے اس نے ایک کوئلہ لے کر دیوار پر اس تھانیدار کی تصویر بنادی جس نے صبح اسے بند کیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد تھانیدار صاحب اپنی موٹی توند اور بل دار مونچھوں کے ساتھ حوالات میں کھڑے تھے پھر انہوں نے بڑک لگا کر پہرے دار کو بلایا اور اسے ڈانٹتے ہوئے کہا "اوئے پاگل کے بچے تم نے مجھے بند کردیا، چلو فوراً" دروازہ کھولو او اس شریف آدمی کو بھی باہر نکالو تم نے اسے بھی بے قصور پکڑا ہوگا۔" مصور کی جان چھوٹی تو وہ بیچارا گرتا پڑتا اپنے گھر پہنچا اور پھر پچھلی دیوار کود کر گھر میں داخل ہوا کیونکہ دروازے پر تو وہ ہولناک کتا بیٹھا ہوا تھا اندر مصور کی بیوی کا رو رو کر برا حال تھا وہ رو رہی تھی اور کتے کو کوس رہی تھی۔

مصور نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا بیگم تم فکر نہ کرو اب میں ایسا بندوبست کروں گا کہ کتے کو جہنم رسید کر کے چھوڑوں گا اب مصور نے ایک پہلوان کی تصویر بنائی اور اسے حکم دیا کہ کتے کی ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کردے پہلوان صاحب اپنی توند پر ہاتھ پھیر کر کاغذ سے

باہر نکلے اور کاغذ پر اپنے نقوش چھوڑ کر دروازے کی طرف بڑھے اور منٹوں میں کتے کو پکڑ کر چیر پھاڑ دیا۔ کتے کی آخری چیخیں سن کے مصور اور اس کی بیوی نے چین کا سانس لیا لیکن "ابھی ان کی مصیبتوں کے دن ختم کہاں ہوئے تھے۔ چوہے، بلی اور کتے سے جان بچی تو اب پہلوان کا عذاب مسلط ہو گیا۔ پہلوان واقعی پہلوان تھا صبح دو درجن انڈوں کے ساتھ تیس چالیس پراٹھے اور دس کلو دودھ پینا تو اس کا معمول تھا پھر دوپہر کو بارہ بجے ہی اسے بھوک لگنے لگتی اور پورے بکرے کی یخنی اور کئی درجن روٹیاں ڈکارنے کے بعد اس کو کچھ قرار ملتا اسی طرح پھر رات کا کھانا ہوتا بلکہ وہ تو شام کی چائے پر بھی دو تین کلو نمکو کھا جاتا تھا۔

اب بیچارے میاں بیوی پھر سوچنے بیٹھے کے مصیبت کے اس پہاڑ کے نیچے سے کس طرح نکلا جائے وہ سوچتے رہے سوچتے رہے لیکن فرار کی کوئی صورت نظر نہ آئی "کیوں نہ ہم اسے پولیس کے حوالے کردیں۔" بیوی بولی "ہش وہ ایک پوری فوج کے قابو میں آنے والا نہیں ہے۔"

"تو ہم اسے کھانے میں زہر کیوں نہ دے دیں؟"

"اری نیک بخت" مصور نے پھر بیوی کو سمجھایا۔ "تھوڑے بہت زہر سے اس منحوس کا کیا بگڑے گا ہاں اگر کچھ فرق پڑا بھی تو اس بات کا اندازہ ہوتے ہی وہ ہم دونوں کو چیونٹی کی طرح مسل دے گا۔"

"ارے تو پھر تم ہی سوچو یہ ساری مصیبت تمہاری پیدا کردہ ہے۔ اس پہلوان سے تو وہ کتا بہتر تھا اور اس کتے سے وہ بلی اچھی تھی اور بلی کے مقابلے میں وہ چوہے کم عذاب تھے کم از کم انسان کو دیکھ کر بھاگ تو جاتے تھے اور ان سب سے اچھا تو یہ تھا کہ تم مصور ہی نہ ہوتے ارے میں پوچھتی ہوں تم تصویریں بنا سکتے ہو تو مٹا کیوں نہیں سکتے۔"

"مٹا کیوں نہیں سکتے۔" مصور کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا "ارے بیگم سب مسئلے حل ہو گئے" پھر وہ بھاگتا ہوا اپنے کام کے کمرے میں آیا اور ربڑ اٹھا کہ پہلوان کی تصویر کے نقوش کو مٹا دیا اچانک ایک زلزلہ سا محسوس ہوا اور برابر کے کمرے سے آتی ہوئی پہلوان کے خراٹوں کی آواز بند ہو گئی۔ پہلوان صاحب غائب ہو گئے اور دونوں میاں بیوی نے عذاب ٹلنے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اب مصور صاحب نے تصویریں بنانا چھوڑ دی ہیں ہاں ایک دلچسپ بات رہ گئی یعنی ان کے شہر کے تھانے میں دو تھانیدار بالکل ایک ہی شکل صورت کے موجود ہیں جن میں روزانہ اس بات پر جھگڑا ہوتا ہے کہ اصلی تھانیدار کون ہے؟

مناظر کیسے کیسے اندر سمندر کے

محمد علی انصاری

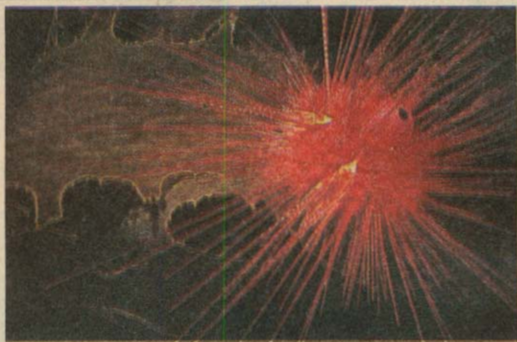

یہ کوئی کھِلا ہوا خوبصورت پھُول نہیں...... یہ ہے "میجک ڈائنڈیما" ایک شوخ و شریر مچھلی۔

کیسا بے وقوف بنایا دشمن کو!! یہ عجیب و غریب پودے میرا بستر ہے اور میری پناہ گاہ بھی!!

"اے! تمہیں ہماری سمندری حدود میں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"
"غلطی ہوگئی۔ معاف کر دیجئے گھوڑے بادشاہ!!"

یہ سمندری جھاڑیاں نہیں "بلوپُولس" ہے۔ سمندر کی عجیب و غریب مخلوق ہے۔

ایران کے شہر اصفہان میں واقع ایک مسجد کا دلفریب اندرونی منظر۔

ایک برفانی علاقے کا وسیع وعریض منظر۔ برف باری کے بعد لوگ خوشی خوشی اسکیٹنگ کررہے ہیں

بزرگ بازار کی شاہراہ پر ایک جانباز سپاہی کا مجسمہ بزرگ بازار دیکھ کر آپ کو لاہور کا رنگ محل اور لوہاری بازار یاد آجائے گا!!

تہران کا جدید اور خوبصورت علاقہ "شمران" جو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بسایا گیا

جی نہیں یہ اسلام آباد کا فضائی منظر نہیں تہران کی تصویر ہے لیکن پاکستان اور ایران الگ الگ نہیں ایک ہی دل ایک ہی دھڑکن ہیں!!

تہران کی ایک خوبصورت شاہراہ۔ تہران کے سفر کے دوران آپ کو قدم بہ قدم یوں محسوس ہوگا جیسے آپ اسلام آباد میں گھوم رہے ہیں!!

کوہ البرز کے دامن میں واقع

پرکشش تہران

ابو محمد غازی

عرب کے بہادر مسلمانوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت ۶۳۴ تا ۶۴۵ء میں قادسیہ، جلولا اور نہاوند کے خونریز معرکوں میں ایرانیوں کو انہی کی سرزمین پر انتہائی عبرت ناک اور ذلّت آمیز شکست دے کر کسریٰ کے مضبوط ترین سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔

۶۵۰ء میں خراسان کی فتح کے بعد یزدگرد سوم اسلامی فتوحات سے خوفزدہ ہو کر چینی ترکستان کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور ایرانی فوج کے حوصلے پست ہوگئے اور پھر ایران کے ہر قلعہ پر اسلامی پرچم لہراتا دکھائی دینے لگا۔

عرب مسلمانوں نے یہاں "تقریباً" پونے چارسو سال تک نہایت شان و شوکت اور روا داری سے حکومت کی۔ عربوں کے بعد اس علاقے میں جس قوم کو عروج حاصل ہوا وہ ترک تھی۔ اس دور میں ایران کے قدیم شہر رے کے قریب ایک چھوٹی سی بستی آباد تھی۔ جس کا نام تھا تھیران! جس کے معنی ہیں ..... گرم دامن کوہ! ۱۲۲۰ء میں منگولیا سے اُٹھنے والے تاتاری طوفان نے "رے" کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چنگیز خان کی جنگجو فوج نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ..... اور "رے" تباہ و برباد ہوگیا! اور اس کی مضافاتی بستی تھیران کو اہمیت حاصل ہونا شروع ہوگئی۔ اور رفتہ رفتہ اس نے ایک چھوٹے سے شہر کی صورت اختیار کرلی۔ ۱۳۸۷ء میں یہ شہر امیر تیمور لنگ کی وسیع و عریض سلطنت کا حصہ بنا۔ آل صفوی کے دور حکومت میں تھیران نے کافی ترقی کی۔ شاہ طہماسپ اوّل نے ۱۵۵۶ء میں یہاں کئی بازار بنوائے اور شہر کے اردگرد ایک فصیل تعمیر کرائی جس میں دروازے اور ۱۱۴ برج تھے۔ ۱۷۲۸ء میں تھیران پر ایک افغان سردار میر محمود نے قبضہ کرلیا۔ جسے ۱۷۴۱ء میں نادر شاہ صفوی نے شکست دی اور یوں یہ شہر دوبارہ صفوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ ۱۷۴۷ء میں صفوی خاندان کے زوال کے بعد اس شہر پر آقا محمد قاچار کا پرچم لہرانے لگا۔ ۱۷۵۹ء میں کریم خان رند شیرازی نے آقا محمد سے تھیران چھین کر اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ ۱۷۷۹ء میں جب کریم خان رند فوت ہوا تو اس کے بیٹوں کی نااہلی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے آقا محمد نے ۱۷۸۴ء میں دوبارہ تھیران پر قبضہ حاصل کرلیا۔ ۱۷۹۶ء تک پورے ایران پر قاچاری فوج کنٹرول حاصل کرچکی تھی اسی سال آقا محمد تخت نشین ہوا اور

اس نے تھیران کو ایران کے باقاعدہ دارالحکومت کی حیثیت دی جو آج تک قائم ہے۔ اسی دور میں تھیران کو "تہران" کا نیا نام ملا۔ قاچاری عہد حکومت میں تہران نے تعمیراتی لحاظ سے زبردست ترقی کی۔ یہاں کئی خوبصورت اور عظیم الشان عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ شہر کو وسعت دی گئی اور اس کے تمام اطراف میں بارہ دروازے بنوائے گئے۔ احمد شاہ، قاچاری خاندان کا آخری بادشاہ تھا جسے مجلسِ ملّی نے اکتوبر ۱۹۲۵ء کو معزول کرتے ہوئے ملک کا انتظام وزیر جنگ رضا شاہ پہلوی کے ہاتھ میں دے دیا۔ پہلوی دور میں بھی تہران نے قابل رشک ترقی کی اور یہاں کئی نئی تاریخی عمارتوں کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۶۱ء میں رضا شاہ اپنے بیٹے کے حق میں تخت سے دست بردار ہوئے اور محمد رضا شاہ پہلوی نے ملک کی باگ ڈور سنبھالی ان کے دور میں ایران مغرب پرستی کا مرکز بن گیا۔ اور خود شاہ کے آمرانہ رویّہ اور ظالمانہ اقدامات نے انقلاب کو آواز دی۔ ایران کے جلا وطن مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی نے اکتوبر ۱۹۷۸ء میں شاہ کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ فروری ۱۹۷۹ء میں رونما ہونے والے اسلامی انقلاب کے نتیجے میں شاہ ایران ملک سے فرار ہوگئے اور ایرانی عوام نے یکم اپریل ۱۹۷۹ء کو آیت اللہ خمینی کو ملک کا نیا سربراہ منتخب کرلیا۔

پُرکشش تہران، ایران کے مشہور پہاڑی سلسلہ کوہ البرز کے دامن میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۱۲۰۰ میٹر ہے۔ تہران کی آبادی تقریباً ۱۱۵۰۰۰۰۰ افراد پر مشتمل ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ ایران کے ۵۰۰ سے زائد شہروں میں سب سے بڑا ہے۔ جبکہ مشرق وسطیٰ میں دوسرے اور عالمی سطح پر ۳۶ویں نمبر پر ہے۔ ۵۷ فیصد لوگ شہر میں اور بقیہ ۴۳ فیصد دیہات میں رہتے ہیں۔ سرکاری زبان فارسی کے علاوہ یہاں بولی جانے والے دیگر اہم زبانوں میں عربی، اردو، آذری، بلوچی، ترکی اور انگریزی شامل ہیں۔ رائج شدہ سکہ ایرانی ریال کہلاتا ہے۔ جس کی ویلیو ایران کے امریکہ نواز نہ ہونے کی وجہ سے کافی کم ہے۔

مجموعی طور پر ایرانی لوگ بہت مہذب، مہمان نواز اور بااخلاق ہیں۔ اسلام سے محبت اور مغربی تہذیب سے انتہائی درجے کی نفرت ان کی زندگی کے ہر پہلو میں نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ یہاں تک انہوں نے موسیقی "سینما اور اسٹیج کو بھی ایک حد تک اسلامی اقدار کے قریب لاکھڑا کیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایرانی ادب کو انقلاب ایران کے بعد کافی حد تک اسلامی تشخّص کا آئینہ دار بنادیا گیا ہے۔ جرائم کا تناسب

صفر ہے۔ یہاں نہ فحاشی نظر آتی ہے نہ بے حیائی کے اشتہار ہمارے یہاں کی طرح اسلامی ثقافت کا منہ چڑاتے دکھائی دیتے ہیں۔ تہران نے علم کے شعبہ میں نمایاں ترقی کی ہے۔ یہاں ہزاروں کی تعداد میں پرائمری اور مڈل سطح کے اسکول قائم کئے گئے ہیں جن میں زیر تعلیم ہر تیس بچوں کے لئے ایک استاد موجود ہے۔ ہائی اسکولوں کو کالج کا درجہ بھی حاصل ہے۔ ۱۹۳۵ء میں قائم ہونے والی "تہران یونیورسٹی" کو ملک کی سب سے پہلی یونیورسٹی کا اعزاز حاصل ہے۔

شہریوں کو طبی سہولتیں فراہم کرنے کی غرض سے شہر بھر میں سو سے زائد سرکاری اور نجی ہسپتال و میڈیکل سینٹرز بنائے گئے ہیں جن میں کئی عالمی معیار کے حامل ہیں۔

صنعت کے میدان میں یہ شہر دیگر تمام شہروں سے آگے جارہا ہے۔ ایران کی کل صنعتوں کا ایک تہائی حصہ آپ کو تہران میں دکھائی دے گا۔ یہاں چینی، بناسپتی گھی، آٹا، سوتی اور اونی کپڑا، سیمنٹ زرعی آلات، کاریں، ٹریکٹر، ٹائلیں اور اسلحہ تیار کرنے کے بے شمار کارخانے اور فیکٹریاں موجود ہیں۔ کچھ آئل ریفائنریز بھی کام کررہی ہیں۔ گھریلو صنعتوں میں مٹی کے برتن، قالین اور بہت سی دیگر اشیا بنائی جاتی ہیں۔

تہران کا پہاڑی علاقہ معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ یہاں سے حاصل ہونے والی اہم معدنیات میں کوئلہ، نمک، سیسہ، مینگنیز، پٹرول، قدرتی گیس اور جست شامل ہیں۔ زرعی پیداوار میں گندم، گیہوں، چاول جو، کپاس، گنا، دالیں اور چقندر کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ پھلوں میں ۱۲ اقسام کے انگور، ۱۰ اقسام کے سنگترے، کھجور، اخروٹ اور سیب شامل ہیں۔

تہران کو "عجائب گھروں کا شہر" بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں ایران کے تمام شہروں کے مقابلے میں سب سے زیادہ عجائب گھر ہیں۔ جن کی تعداد سات ہے۔ ان میں ایران کے قدیم دور کی دریافت بے شمار نادر و نایاب اشیا رکھی گئی ہیں۔ "کاخ گلستان میوزیم" میں جہاں آپ ایران کا قدیم تاریخی اور ثقافتی ورثہ دیکھیں گے وہیں ایرانی شہنشاہ کا مشہور "تخت طاؤس" بھی آپ کی توجہ کا مرکز ہوگا۔ اسی طرح "بانک ملی میوزیم" میں دنیا کا مشہور ہیرا دریائے نور" اور ایرانی شہنشاہوں کے حیرت انگیز تاج اور بیش قیمت جوہرات آپ کا دل موہ لیں گے۔ "قالین میوزیم" میں یہاں کے ماہر کاریگروں کے ہاتھوں سے تیار ہونے والے انتہائی خوبصورت اور نفیس قالین نمائش کے لئے رکھے گئے ہیں۔ "کلچرل میوزیم" میں ایرانی تہذیب و ثقافت کی

مختلف انداز میں بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ دیگر عجائب گھروں میں رضا عباس میوزیم، آبگینہ میوزیم، آرائش فنون میوزیم اور آثار قدیمہ کا میوزیم شامل ہیں۔

"نونہال باغ" تہران میں بچوں کی ایک بہت ہی پر کشش تفریح گاہ کا نام ہے۔ یہاں بچوں کے لئے بے شمار دلچسپ اور حیران کن اشیا رکھی گئی ہیں۔ جانوروں پرندوں اور کارٹون فلموں کے مشہور کرداروں کے قد آدم مجسمے، مختلف قسم کے رنگ برنگے جھولے، تفریحی سواریاں مثلاً ٹرین ڈاجنگ کاریں وغیرہ موجود ہیں۔ ان کے علاوہ مسجد، ایک بڑا کتب خانہ اور قدیم طرز تعمیر کے کئی ریسٹورنٹ بھی بنائے گئے ہیں۔ باغ کے ایک گوشے میں ایک بہت بڑی سنگ مرمر کی کھلی ہوئی کتاب بنائی گئی ہے جس کے ساتھ ہی ایران کے مشہور شاعر فردوسی (مجسمہ کی شکل میں) ہاتھ میں کتاب اٹھائے انتہائی باوقار انداز میں بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ آپ کی مشہور تصنیف "شاہ نامہ اسلام" ہے۔ جو آپ نے ۲۵ برس کی انتھک محنت سے مکمل کی تھی۔ اس کے ۵۰ ابواب ہیں اور ہر باب میں قدیم ایران کے ہر ایک شہنشاہ کے دور کے حالات نظم کیے گئے ہیں۔ تہران کی دوسری تفریح گاہوں میں لالے باغ (سابقہ فرح باغ)، لار جھیل، جاجرود، کرج ڈیم، تسیان ڈیم اور وادی دریائے کرن قابل ذکر ہیں۔

تہران میں کھیلوں کے فروغ کے لئے کئی گراؤنڈ اور اسٹیڈیم تعمیر کیے گئے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں یہاں ایک وسیع و عریض اسپورٹس اسٹیڈیم بنایا گیا جس میں بیک وقت ایک لاکھ تماشائیوں کے بیٹھنے کی گنجائش موجود ہے۔ ثریا اسٹیڈیم صرف خواتین کے لئے مخصوص ہے۔ باکسنگ، پولو، ریسلنگ، فٹ بال، ہاکی، باسکٹ بال، تیراکی، ویٹ لفٹنگ، جمناسٹک اور ایتھلیٹک ایرانی عوام کے مقبول کھیلوں میں شمار ہوتے ہیں۔

تہران سے روزانہ بارہ اخبارات شائع ہوتے ہیں۔ روزنامہ "کیہان" اور اطلاعات کثیر الاشاعت اخبار ہیں۔ جبکہ ہفتہ روزہ اخبار و جرائد کی تعداد چالیس ہے۔ ثقافت کے فروغ میں ریڈیو، ٹیلی وژن اور کلچرل سینٹر اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

تہران کے سفر کے دوران آپ کو قدم بہ قدم یوں محسوس ہو گا جیسے آپ اسلام آباد میں گھوم رہے ہیں۔ کیونکہ جس طرح ایرانی شہر اصفہان لاہور سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح تہران بھی اسلام آباد سے بہت زیادہ مماثلت رکھتا ہے۔ خصوصاً اس کی سڑکیں اور بلند و بالا عمارتیں! شہر کے جنوب میں "بہشت زہرہ" نامی

قبرستان واقع ہے۔ جہاں ایران عراق جنگ کے دوران شہید ہونے والے ایرانی مجاہدین کی قبریں ہیں۔ اسلامی انقلاب کے بانی جناب آیت اللہ خمینی بھی یہیں آسودہ خاک ہیں۔ مشرق میں "خضر بہارستان" کی سرکاری عمارت ہے جس میں ایران کی قومی اسمبلی کے اجلاس منعقد ہوتے ہیں۔

تہران کا جدید علاقہ "شمران" کہلاتا ہے۔ باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بسایا جانے والا یہ خطہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں ہر طرف ۲۰ تا ۶۰ منزلہ زلزلہ پروف سر بفلک عمارتوں کا جال سا بچھا دکھائی دیتا ہے۔ جن میں عالی شان شاپنگ سینٹرز، تجارتی اداروں کے دفاتر، عالمی معیار کے ہوٹل اور جدید سہولتوں سے آراستہ اپارٹمنٹس شامل ہیں۔ ان کے علاوہ سنگ مرمر سے بنائی ہوئی متعدد یادگاروں نے بھی شمران کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ شہر کے وسط میں میدان سپاہ (آرمی گراؤنڈ)، ٹاؤن ہال، سرکاری دفاتر اور ایران کی اہم شخصیات کی رہائش گاہیں واقع ہیں۔

تہران کی سیر کے دوران ایک مقام پر آپ کو ایک وسیع و عریض میدان بھی نظر آئے گا۔ جس میں بڑے بڑے ہال بنائے گئے ہیں۔ یہ انڈسٹریل ٹریڈ سینٹر ہے۔ ہر سال وزارت صنعت کی جانب سے یہاں دو تین بار صنعتی اشیاء کی نمائش کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں دنیا بھر کے اسلامی ممالک سے آئے ہوئے تاجر حضرات اپنے اپنے ملک کی اہم مصنوعات کے اسٹالز لگاتے ہیں۔

"بزرگ بازار" کو دیکھتے ہی آپ کو بے اختیار لاہور کا رنگ محل اور لوہاری بازار یاد آجائے گا کیونکہ تہران کا یہ عالمی شہرت یافتہ بازار ہمارے ان بازاروں سے کافی ملتا جلتا ہے۔ یہاں ہر چیز کی کئی کئی دوکانیں قائم ہیں۔ اس کی رونقوں سے اچھی طرح محظوظ ہونے کے لئے خاصا وقت درکار ہے۔

"مہر آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ" شہر سے ۸ کلو میٹر دور ہے۔ یہ ایران کا واحد بین الاقوامی ہوائی اڈا ہے۔ جہاں سے ایرانی فضائی کمپنی "ہوا پیمائی جمہوری اسلامی ایران" ملک کے ہر اہم شہر اور دنیا کے کئی ممالک تک پروازیں اڑاتی ہے۔ فضائی راستے کے علاوہ تہران بڑی بڑی خوبصورت شاہراہوں اور ریلوے لائن کے ذریعے ملک کے دیگر شہروں سے مربوط ہے۔

جدید فن تعمیر کا عظیم اور قابل فخر شاہکار "شاہ یاد برج" بھی دیکھنے والوں کو متاثر کیے بغیر جانے نہیں دیتا۔ ۴۵ میٹر بلند اس پل کا افتتاح ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو ایران میں شہنشائیت کے ۲۵۰۰

سالہ جشن کے موقع پر کیا گیا تھا۔
مسجد سپہ سالار قاچار، مسجد مطہری، شاہ مسجد، مسجد امام، مزار رضا شاہ پہلوی، یزدگرد سوم اور اس کی بیٹی شہربانو کے مقبرے، طغرل گنبد، کاخ مزمر، کاخ نیاوران، کاخ سرحد آباد، اور کاخ سعد آباد تہران کی دیگر قابل دید اور تاریخی یادگاریں ہیں!!"

کیا آپ ناراض ہیں؟

اگر آپ

- اس لئے ناراض ہیں کہ آنکھ مچولی میں بھیجی ہوئی تحریر شائع نہیں ہوئی تو ذرا سوچیئے کہ ایسا کیوں ہوا؟
- کیا آپ کی تحریر نقل شدہ تھی۔؟
- پہلے شائع ہوچکی تھی؟
- صفحے کے دونوں طرف اور لائن چھوڑے بغیر لکھی گئی تھی۔
- پنسل سے یا اتنے مشکل رسم الخط میں لکھی گئی تھی کہ پڑھی نہیں جا رہی تھی؟
- چھوٹے پرزوں پر لکھی گئی تھی؟
- ایک ہی صفحے پر بہت سی تحریریں لکھی گئی تھیں؟
- آپ کی تحریر کا انداز بیان، خیال اور اسلوب بچوں کی نفسیات سے ہٹ کر تھا؟
- آپ کی تحریر مشکل اور گنجلک تھی؟
- آپ کی تحریر میں مقصدیت کا فقدان تھا۔؟
- تو پھر سوچیئے کہ آپ کی تحریر کیونکر شائع ہوسکتی تھی۔
- اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تحریر شائع ہو تو اوپر بیان کی گئی تمام باتوں سے بچیں۔
- یاد رکھیئے! بڑا ادیب بننے کے لئے مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

مزید محنت کی ضرورت ہے

"غلطی" "حکومت کس کو ملے" سیدہ افشاں افتخار، کراچی۔ "احتیاط" عبدالرافع، شہداد کوٹ۔ "ہوشیاری، عقل اور فن" حافظ قمر حبیب، ڈسکہ۔ "اے کشمیر کے مجاہدو" فراز ارشاد، کراچی۔ "محمد صلاح الدین، حیدر آباد" "پرانا نام" محمد عارف، پسنی۔ "وہم" شاہنواز گل، ارمڑیایاں "خوفناک غار" محمد سجاد احمد غوری، بہاولنگر۔ "وہ آئیں ہمارے گھر" نثار الحق اسدی، لاہور۔ "سفیان کہتا ہے" محمد ارشد سلیم، چارسدہ۔ "انوکھا جرمانہ" عطا حسین ملک، حیدر آباد۔ "کھوپڑی کا انتقام" محمد خاور جمال، ملتان۔ "لال حویلی" عمارہ شاہین رضوی، بہاولپور۔ "غرور کا انجام" تانیہ محمد زمان، منڈی بہاؤالدین "انگوٹھی والا بونا" فرزند علی، نوابشاہ۔ "مغرور بادشاہ" محمد عاصم، نوشہرہ۔ "آزادی کی حفاظت" محمد عثمان، اٹک۔ "شرابی ولی بن گیا" محمد جاوید بشیر، نوابشاہ۔ "امن انسانیت کی بقاء" اعجاز الٰہی (؟) "ہاتھی والوں کی شکست" راحیل رفیق، کراچی۔ "خوشگوار صبح" "اور اس نے توبہ کرلی" "قبر سے بچہ زندہ برآمد ہوا" "استاد جی" زاہد قیصر، سیالکوٹ۔ "شکاری کتے" منصور احمد مگسی، کندھ کوٹ۔ "سمندر کا دیوتا" عمران مقبول (؟) "مجھے اچھا لگا" غلام محمد (؟) "کچی عمر کی باتیں" فوزیہ ناز کنول، اوکاڑہ۔ "احسان" فرمان سلیم، گوجرانوالہ۔ "تین سوالات" مہرین ناز، کراچی۔ "مارے گئے" عائشہ خان، لاہور۔ "بے خیالی" عرفان خلیل، لاہور۔ "شرارتی شیراز" "ایک کہانی" شازیہ ابرار، بہاولپور۔ "پپّو کی دعوت" کاشف جمیل، تربت۔ "بہادری" محمد خرم، کراچی۔ "بے گناہ" محمد کاشف خان، سیالکوٹ۔ "اوض کو واپسی" رضیہ، لاہور۔ "پہلا علاج" "آسیب زدہ جنگل" محمد یونس مگسی، کندھ کوٹ۔ "دو باتیں" عبدالجبار شیخ، لاڑکانہ۔ "بچت" راجہ علی محمد منگی، سکھر۔ "حضور کا خواب" شکیل احمد، اٹک۔ "ضد" محمد آصف، لاہور۔ "امپورٹڈ تعلیم" فوزیہ ناز کنول، اوکاڑہ۔ "موت کا سفر" عمران قمر، اسلام آباد۔ "پرچم کا تعاقب" محمد سہیل کلیم فاروقی، گوجرانوالہ۔ "خوفناک رات" "سنسان حویلی" علی عثمان ملک (؟) "نصیحت" وقار احمد ملک، کوئٹہ۔ "ستارہ جرات یونس حسن" سید علی محمد حسین، کراچی۔ "فضول خرچ" اللہ دیا منور راجپوت، جھڈو۔ "ذرا سوچئے تو" حسن فرخ، لاہور۔ "نعمتوں کا کر شکر تو" عظیم اختر میمن، میرپور خاص۔ "پیاس" محمد اسد سردار، سکھر۔ "مامتا" "خوفناک پہاڑی بکرا" سفیان اصغر، گجرات۔ "شہزادہ امیر اور کالا دیو" محمد اعجاز، سرگودھا۔ "میں بھی آپ کی بیٹی ہوں" سدرہ سعید، کراچی۔ "اقبال کے پیغام کو زندہ رکھیں گے" رانا محمد شاہد، بورے والا۔ "پاک وطن تجھ پر قربان ہم" سید محمد طلحہ رضا، کراچی۔ "شاعرِ مشرق" راجہ زبیر خان، جہلم۔ "میں ایسی لڑکی ہوں" عائشہ لطیف، راولپنڈی۔ "انسان نما جن" عبدالرزاق، دادو۔ "ہماری کلاس کا ایک پیریڈ" "حمد" شیرنواز گل، ارمڑیایان۔ "گڑیا" "آنکھ مچولی" ندیم خان، اسلام آباد۔

ننھے بہادر

شیخ عاکف حمید

وہ بچّہ دائی کے ہاں پرورش پا رہا تھا پھر جب وہ پانچ برس کا ہوا تو گاؤں کے دوسرے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے کے لئے جنگل میں جانے لگا تمام بچّے صبح کو جاتے اور شام کو بکریاں لے کر واپس آجاتے روز اسی طرح ہوتا۔

ایک روز حسبِ معمول گاؤں کے بچّے جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے یکایک ڈاکو آن پہنچے ڈاکوؤں کی خوفناک شکلیں اور چمکدار تلواریں دیکھ کر سارے بچّے بدحواسی کے ساتھ گاؤں کی طرف بھاگے۔ صرف وہ بچّہ .... جس کی عمر پانچ برس تھی، ڈاکوؤں سے ذرا نہ ڈرا نہ بھاگا ...... اور چپ چاپ اپنی جگہ کھڑا رہا۔

لٹیرے اور ڈاکو اس چھوٹے سے بچّے کا کیا خیال کرتے؟ انہوں نے بکریاں اکٹھی کیں اور چلنے لگے۔ وہ ننھا بچّہ آگے بڑھا اور ڈاکوؤں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "یہ بکریاں گاؤں والوں نے

ہمارے ساتھ جنگل میں بھیجی تھیں اگر تم لوگ ان کو لے جانا چاہتے ہو تو پہلے چل کر گاؤں والوں سے پوچھ لو پھر لے جانا۔"

ڈاکوؤں کو ننھے بچّے کی ان بھولی باتوں پر بے اختیار ہنسی آگئی۔ انہوں نے بچّے کو کچھ نہ کہا اور بکریاں لے کر چلنے لگے۔ جب بچّے نے دیکھا کہ ڈاکوؤں نے میری بات نہیں مانی ہے اور بکریاں لئے جارہے ہیں تو پھُرتی کے ساتھ آگے بڑھا اور بکریوں کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا۔

ڈاکوؤں نے کم سن بچّے کی اس جرأت کو تعجب کے ساتھ دیکھا اور کہا۔ "ہٹ جا اور ہمیں بکریاں لے جانے دے۔"

"نہیں کبھی نہیں، مجھے مار ڈالو اور بکریاں لے جاؤ جب تک میں زندہ ہوں بکریاں یہاں سے نہیں جائیں گی۔" بچّے نے جواب دیا۔

ڈاکو حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ اتنا چھوٹا سا بچّہ اور اتنا دلیر انہیں نہایت تعجب ہوا۔ ان قزاقوں کا سردار آگے بڑھا۔ اسے یہ نڈر اور بہادر بچّہ بے حد پیارا لگا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر بچّے کو پیار کیا اور شفقت کے ساتھ پوچھا۔

"میاں تم کس کے بیٹے ہو؟"

بچّے نے جواب دیا "عبدالمطلب کا۔"

"بیشک سردار قریش کے لڑکے کو ایسا ہی بہادر ہونا چاہئے۔ ننھے بہادر! میں تمہاری دلیری کی قدر کرتا ہوں اور محض تمہارے لئے ان بکریوں کو چھوڑتا ہوں۔ تمہاری پیشانی کا نُور کہہ رہا ہے کہ جب تم بڑے ہو گے تو نہ صرف بنو ہاشم بلکہ سارا عرب تمہاری ذات پر فخر کرے گا۔ کیا اپنا نام نہیں بتاؤ گے؟"

"محمدؐ!"

"محمدؐ..... محمدؐ...... کیسا عجیب اور پیارا نام ہے!" ڈاکو کے سردار نے مزے لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا ننھے بہادر! سلام.......!!"

یہ کہتے ہوئے ڈاکو رخصت ہوگئے!!

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے

کہتے ہیں کہ جھوٹے انسان کا حافظہ نہیں ہوتا لیکن چالاکیاں اور دوسروں کو شیشے میں اتارنے کا فن خوب جانتا ہے۔ ماہرین نے اپنی حالیہ تحقیقات میں بتایا ہے کہ جھوٹے شخص کو جھوٹا ثابت کرنا مشکل سمجھا جاتا ہے۔ حالاں کہ وہ باآسانی پکڑا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ جھوٹا جھوٹ بولتے وقت مسکرانے کی زیادہ کوشش کرتا ہے اور اپنی بات کو وزن دار ثابت کرنے کے لئے دلائل پر دلائل دیتا ہے۔

سعید احمد

مرزا اسد اللہ خان غالب سے انٹرویو

نائلہ صدیقی

س : آپ کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

ج : صاحب زادی ہمیں یہ جان کر سخت تعجب اور افسوس ہوا کہ طالبہ ہونے کے باوجود ابھی تک آپ کو یہی نہیں پتہ چل سکا کہ ہم کب، کہاں اور کیوں پیدا ہوئے؟ حیرت ہے۔ ویسے اس میں قصور آپ کا بھی نہیں۔ مختلف مورخین، مصنفین، ناقدین نے ہماری تاریخ مختلف تاریخ پیدائش بیان کی ہیں اور اس بارے میں کافی ڈس انفارمشین پھیلائی ہے۔ تاہم ہمیں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی بات سے زیادہ اتفاق ہے کہ ہم ۸ رجب ۱۲۱۲ھ (سنہ ۱۷۹۶ء) میں پیدا ہوئے۔

س : آپ کہاں پیدا ہوئے؟

ج : ہم متعجب ہیں کہ اتنے عرصے بعد ہماری پیدائش کے بارے میں پوچھ گچھ کیوں کی جارہی ہے؟ غالباً" آپ ہم سے براہ راست سوال کر کے

اپنی نصابی کتب کی غلطیاں دُرست کرنا چاہتی ہیں تو نوٹ فرمالیجئے۔ ہم ہندوستان کے شہر "آگرہ" میں پیدا ہوئے تھے۔

س : آپ کے زمانے میں اور کون کون سے شاعر ہوتے تھے؟

ج : اچھا! تو ہمارے زمانے میں "اور" بھی شاعر ہوا کرتے تھے؟ ذہن پر زور دینا ہوگا۔ ہاں خوب یاد آیا، جب ہم دہلی میں تھے تو وہاں شیخ محمد ابراہیم ذوق اور مومن خان مومن ہوتے تھے۔ دوسری طرف لکھنؤ میں حیدر علی آتش اور ناسخ کا معرکہ گرم تھا۔

س : اُردو زبان میں آپ کا پسندیدہ شاعر کون ہے؟

ج : ع

اپنا تو یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

س : آپ کا آئیڈیل شاعر کون ہے؟

ج : ہمارے زمانے میں آئیڈیل نہیں ہوتے تھے۔ صرف شاعر ہوتے تھے۔ وہ بھی صرف دو قسم کے۔ اچھے اور بُرے! ہاں اگر آپ یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ ہم مُتاثر کس شاعر سے تھے تو ہمارا جواب ہے "استاد بیدل" جو فارسی زبان کے مشہور اور قادر الکلام شاعر گزرے ہیں۔

س : "دیوانِ غالب" کی اس قدر مقبولیت کی وجہ کیا ہے؟

ج : اس کا دیوانِ غالب ہونا۔

س : آپ کی پسندیدہ کتاب کونسی ہے؟

ج : "یادگار غالب" یہ ہماری سوانح عمری ہے جو الطاف حسین حالی نے لکھی۔ اپنے بارے میں بہت سی باتیں ہمیں اس کتاب سے ہی معلوم ہوئیں۔

س : جب آپ پر مُشکل پسندی کا الزام لگایا گیا تو آپ کے کیا تاثرات تھے؟

ج : ع

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھ کو زباں اور

جب ہمارے مخالفین نے ہم پر یہ الزام لگایا کہ

کلامِ میر سمجھے زبان میرزا سمجھے
اپنا کہا وہ آپ سمجھے یا خدا سمجھے

تو اس کے جواب میں ہم نے مذکورہ بالا شعر کہا تھا۔

س : کیا یہ سچ ہے کہ آپ روزے نہیں رکھتے تھے؟

ج : ع

جسکے پاس روزہ کھول کے کھانے کو کچھ نہ ہو
روزہ اگر نہ کھائے تو بیچارہ کیا کرے

س : آپ کی اہلیہ کا کیا نام تھا؟

ج : اگرچہ وہ ہماری اہلیہ بننے کی مطلق اہل

نہیں تھیں اور انہوں نے ساری زندگی ہمارا ناطقہ بند رکھا تاہم ان کا نام "امراؤ بیگم" تھا۔ اسی حوالے سے ہم اپنا ایک احتجاج ریکارڈ کرانا چاہتے ہیں۔ بعض بدخواہوں نے ہماری بیگم کے نام کو ایک لطیفہ بنا رکھا ہے یعنی یہ کہ غالب کی بیگم کا نام غالبا" تھا۔ ہمیں یہ بھونڈا مذاق ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ لٰہذا ہمارا مطالبہ ہے کہ اس لطیفے پر فورا" پابندی لگائی جائے اور لطیفہ سنانے والے کو کالا پانی بھیجا جائے۔

س : جدید دور کے آزاد شاعری کرنے والے شعرا کرام کے مجموعے پڑھ کر آپ کیسا محسوس کرتے ہیں؟

ج : ایسے مجموعہ کلام ہماری نظر سے نہیں گزرے کیونکہ یہ مجموعے صرف دوزخ میں فراہم کئے جاتے ہیں۔

س : آپ اس دنیا سے کب رخصت ہوئے اور آج کل کہاں مقیم ہیں؟

ج : ۱۵ فروری سنہ ۱۸۹۶ کو ہمارا بلاوا آیا۔ آج کل بظاہر دلی میں خواجہ نظام الدین اولیا کے مزار کے قریب ہماری آخری آرام گاہ ہے لیکن درحقیقت ہم اس عالم آہ و گل سے بہت دور آباد ہیں۔ ع

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

آنکھ مچولی

آپ کا اپنا پرچہ ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ آپ کے مشوروں کی روشنی میں بہتر سے بہتر رسالہ ترتیب دیں اور بروقت آپ تک پہنچائیں۔
ہماری کاوش آپ تک اور
آپ کی رائے ہم تک پہنچانے میں

محمد حسین برادرز — کراچی — "۲۴۱۲۶"
مہران نیوز ایجنسی — حیدرآباد — ۲۰۱۲۸
سلمان برادرز — نوابشاہ — ۲۴۱۴
ایم ایم ٹریڈرز — کوئٹہ — "۵۰۰۲"

صوبہ سندھ اور بلوچستان میں آنکھ مچولی کے ایجنٹ

ہمارے مُعاون
ہمارے مَددگار

خط و کتابت کے لیے
سرکولیشن منیجر
ماہنامہ آنکھ مچولی - ا۔ پی آئی بی کالونی، کراچی ۵

وہ کون تھی؟

محمد صفدر رناشاد

میرا بڑا بھائی ٹرک ڈرائیور ہے۔ دن بھر ٹرک چلا کر رات کو آرام سکون کی خاطر گھر آجاتا ہے۔ یہ واقعہ میرے بھائی کے ساتھ آج سے دو برس پہلے پیش آیا۔ آپ بھی سنیئے !

ایک دن میں ٹرک چلا کر آرہا تھا کہ اچانک ٹرک کا پچھلا پہیہ پنکچر ہوگیا کیوں کہ جس راستے سے میں آج گزرا تھا یہ راستہ پتھریلا تھا اور جگہ جگہ سڑک پر چھوٹے چھوٹے باریک کنکریٹ اور پتھر بکھرے پڑے تھے۔ خیر ٹرک ٹھیک ہمارے شہر کے بس اسٹاپ سے تھوڑی دور پنکچر ہوا تھا اور اس جگہ ٹائروں کی دکان بھی تھی۔ میں نے اپنا ٹرک اسی دکان پر کھڑا کیا اور مستری جو مکینک بھی تھا، میں نے اسے پنکچر لگانے کے لئے کہا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ شہر کی جس جانب ہمارا محلّہ تھا اس طرف راستے میں ایک قبرستان آتا تھا یہ قبرستان بہت وسیع اور قدیم تھا۔ اس کے چاروں

اطراف درختوں نے اس قبرستان کو گھیر رکھا تھا نیز یہ قبرستان چار دیواری میں بنایا گیا تھا۔اس وجہ سے یہ اور بھی ہیبت ناک دکھائی دیتا تھا۔ قبرستان کے درمیان ایک درویش کا مقبرہ بنا ہوا تھا جو ایک کمرہ اور چند گز کے صحن پر مشتمل تھا۔ یہ قبرستان کھنڈر کی طرح خوفناک نظر آتا تھا۔میں تو ہر روز اسی راستہ سے گھر جاتا تھا" اس لئے مجھے کوئی خوف وخطرہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔میں اس دن بھی خوشی خوشی گھر جارہا تھا۔ میں ابھی قبرستان کے درمیان عقب والی دیوار کے قریب پہنچا ہی تھا جو کہ جنازہ گاہ سے ملی ہوئی تھی کہ اچانک مجھے سامنے کی طرف سے ایک عورت برقع پہنے ہوئے اپنی طرف آتی ہوئی نظر آئی۔میں سمجھا شاید یہ عورت بھی میری طرح اپنے گھر جارہی ہے جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس عورت نے برقع منہ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

"جی ذرا سنئے۔"

"جی فرمایئے۔"

میں نے کہا اور جو اسے غور سے دیکھا تو وہ ایک نوجوان لڑکی تھی۔

"جی مجھے گھر جانا ہے آج میں لیٹ ہوگئی ہوں۔"

میں نے کہا "فرمایئے بہن میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟"

اس نے کہا "مہربانی کر کے مجھے میرے گھر تک چھوڑ آیئے۔"

میں نے کہا۔

"چلئے۔"

وہ لڑکی جس طرف سے آئی تھی پھر اسی طرف چل پڑی۔میں بھی اسی کے ساتھ چلنے لگا۔ جب ہم دونوں درویش کے مقبرہ کے پاس پہنچے تو اس عورت نے میری طرف گھورتے ہوئے کہا 'ذرا ٹھہریئے مجھے مقبرہ پر دعا مانگنی ہے۔ میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گی۔" یہ کہہ کر وہ عورت مقبرہ کے صحن سے ہوتی ہوئی مقبرہ میں داخل ہوگئی اور میں وہیں پر ٹھہر گیا اور اس لڑکی کا انتظار کرنے لگا کہ جب وہ آجائے گی پھر ہم دونوں مل کر اکٹھے چلیں گے۔ مجھے وہاں کھڑا ہوئے کچھ دیر ہوئی تھی کہ مجھے پچھلی طرف جہاں سے ابھی ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ لڑکی اور میں ہم دونوں چل کر آئے تھے کئی آدمی کالے نقاب اوڑھے ہوئے اپنی طرف تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے دکھائی دیئے چونکہ میں پہلے ہی حیران تھا کہ یہ لڑکی جس طرف سے آئی تھی پھر اسی طرف سے کیوں مجھے لے کر واپس گئی اس لئے میں نے خطرے کو بھانپ لیا اور ان آفتوں سے بچنے کے لئے بے خوف ہو کر انتہائی تیزی کے ساتھ گھر کی طرف دوڑ لگادی۔وہ نقاب پوش افراد بھی بڑی تیزی کے ساتھ میرا تعاقب کرتے ہوئے بھاگے

آرہے تھے لیکن بھاگتے بھاگتے جیسے ہی قبرستان کا مین گیٹ آیا میں نے گیٹ سے نکلتے ہوئے جلدی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔میں نے پھر بھی دوڑنا شروع کردیا اور گھر کے دروازے پر جا کر رکا۔اس کے بعد مجھے گیارہ دن تک شدید بخار رہا۔ اب اس واقعہ کو کافی عرصہ ہوگیا ہے لیکن اب جب کبھی بھی واقعہ یاد آتا ہے تو خوف کی لہر جسم سے گزر جاتی ہے اور میں سہم جاتا ہوں۔

ایک رات کی بات

سعود احمد سومرو گڈو بیراج

گرمیوں کی چھٹیاں تھیں ان چھٹیوں میں ہمارے پیارے چچا جان کراچی سے ہم سے ملنے آئے۔ ان کے ساتھ ان کے دوست عرفان صاحب بھی تھے۔ انہوں نے ہمیں اپنا بھتیجا بنایا ہے۔ پہلی رات انہوں نے جو واقعہ سنایا وہ اب تک ہم نہیں بھول سکے۔ ہم ان کی زبانی یہ واقعہ آپ کو بھی سناتے ہیں۔

دسمبر کے مہینے کی آخری تاریخیں تھیں اور میرے دوست کے گھر ایک فنکشن تھا۔مجھے بھی بلایا گیا تھا۔ لہٰذا میں شام کو اپنے چند دوستوں کے ہمراہ اس کے گھر ناظم آباد پہنچا۔ باتوں میں وقت کا پتا نہیں چلا جب رات کے گیارہ بجے تو سب کو گھر جانے کا خیال آیا اور جلدی جلدی سب رخصت ہونے لگے۔

حیدری کے علاقے تک سب دوستوں کے راستے الگ ہوگئے اور میں اکیلا رہ گیا۔ سخی حسن کے قبرستان کے قریب پہنچا تو اسکوٹر خراب ہوگیا اب تو سردی کے ساتھ ساتھ مجھے ڈر بھی لگ رہا تھا۔ بہرحال میں اسکوٹر اسٹارٹ کرنے لگا۔ ابھی وہ اسٹارٹ ہوا ہی تھا کہ اچانک سامنے سے ایک آدمی آتا ہوا دکھائی دیا۔وہ میرے قریب آکر بولا

"مجھے چورنگی تک جانا ہے"۔ میں پہلے تو ڈرا پھر یہ سوچ کر کہ چلو "ایک سے دو ہو جائیں گے" اسے بٹھالیا۔

جب چورنگی قریب آئی تو میں نے سوچا کہ اس سے اترنے کے لئے پوچھوں لیکن جوں ہی میں نے پیچھے دیکھا تو وہ غائب تھا۔ یقین کریں سخت سردی میں مجھے پسینہ آگیا اور میں کچھ دیر تک وہیں کھڑا تھر تھر کانپتا رہا۔ اب یہ بات تو میں بھی نہیں جانتا کہ وہ انسان تھا یا پھر جن، بھوت وغیرہ لیکن جب بھی میں یہ واقعہ یاد کرتا ہوں تو خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

یونیسیف کی دنیا کے بچوں کی حالت ۱۹۹۴ء کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم بہترین سرمایہ کاری ہے جو کوئی ترقی پذیر ملک کر سکتا ہے۔ عورتوں کی تعلیم کا بہتر صحت اور غذائیت سے تعلق ہے!

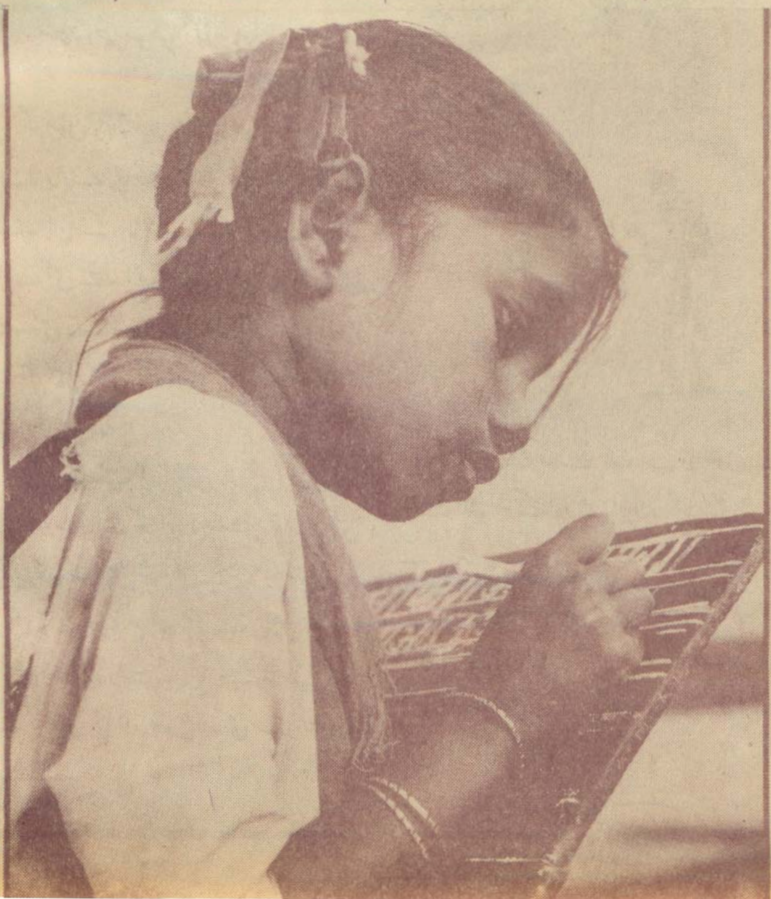

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں

شاعر: ابنِ انشاء   انتخاب: شارب اطہر حسین

ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں
ایک میلے میں پہنچا ہُمکتا ہوا
جی چاہتا تھا ہر اک شے پہ مگر
جیب خالی تھی کچھ مول لے نہ سکا
لوٹ آیا لئے حسرتیں سینکڑوں
ایک چھوٹا سا لڑکا تھا میں جن دنوں

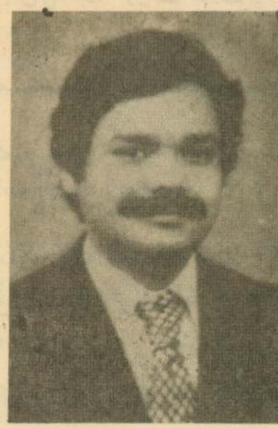

خیر محرومیوں کے وہ دن تو گئے
آج میلہ لگا ہے اسی شان سے
جو چاہوں تو اک اک دُکان مول لوں
جو چاہوں تو سارا جہاں مول لوں
نارسائی کا جی میں دھڑکا کہاں
پر وہ چھوٹا سا الڑ سا لڑکا کہاں

فقیر پاجی

بھانت بھانت کے فقیروں پر الطاف حسین کا ریسرچ مضمون

فقیروں کے بارے میں ایک عدد ریسرچ مضمون آپ پچھلے شماروں میں پڑھ ہی چکے ہیں۔ آج آپ کو اُن کی مختلف قسموں سے متعارف کرارہے ہیں!!

فقیر..... بھانت بھانت کے ہوتے ہیں اور شکار پر دانت جما کر گھات لگائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان کی جگہیں مختلف ہوتی ہیں۔ آیئے! چند فقیروں سے آپ کو ملوائیں۔

شوقیہ فقیر : یہ ہٹے کٹے، مُسٹنڈے، کام نہ کاج کے دشمن اناج کے، عمُدہ کڑھائی دار کرتا اور شلوار پہنے ہوتے ہیں۔ کبھی فیشن کا ذائقہ بدلنے کے لئے "بلیو کلیکشن" بھی زیب تن فرماتے ہیں۔ پاؤں میں زری کی چپل یا جوگر زاور گلے میں چین ہوتی ہے۔ شکلاً "شیطان، فطرتاً" بے ایمان اور عادتاً "حیوان (سے بھی بدتر) ہوتے ہیں۔ "تم کماؤ ہم کھائیں" ان کی پالیسی اور سُستی ان کا

علامتی نشان ہوتی ہے۔ یہ اناج دشمن عناصر کام اس لئے نہیں کرتے کہ آبا واجداد کی روحوں کو اذیت پہنچے گی۔ مانگتے اس لئے ہیں کہ مانگنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے۔ نک نیم بگڑے ہوئے نواب ہے۔ اور ہر دوسرے تیسرے گھر میں جبراً" رہائش پذیر دکھائی دیتے ہیں۔

لکیر کے فقیر : چونکہ ان کی "اوپر والی منزل" بھی ان کے دامن کی طرح خالی ہوتی ہے۔ اس لئے سوچ جیسی درد سری سے کلی طور پر "فری" ہوتے ہیں۔

عمرِ عزیز ناک کی سیدھ میں ایک لکیر پر چلتے ہوئے تمام کر دیتے ہیں۔ لوگوں کو صراط المستقیم پر چلنے کا عملی درس دینے والے ان لکیر کے فقیروں کی فطرت میں بھیڑ چال "کُوٹ کُوٹ" کر بھری ہوتی ہے۔ ہمارا موجودہ معاشرہ ان میں خاصا "خود کفیل" ہے۔

موسمی فقیر : یہ خاص موسم میں' خاص انداز سے اپنے "بِل سے باہر نکل کر "بِل" وصول کرتے ہیں۔ حج کے دنوں میں ان کے گروہ کے گروہ حاجیوں کے بھیس میں حجازِ مُقدّس پہنچتے ہیں اور "تماشۂ اہلِ کرم" دیکھتے ہیں اور کثیر زرِمبادلہ و دیگر ساز و سامان سے لدے پھندے واپس وطن لوٹتے ہیں۔ انہی انٹرنیشنل فقیر بھی کہا جاتا ہے۔

وائٹ کالر فقیر : یہ سفید پوش قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ رُوکھی سُوکھی کھا کر گزارہ کرتے ہیں۔ مہنگائی کے بوجھ سے متزلزل عزّت کی دیوار کو سہارا دینے کے لئے یار لوگوں سے "قابلِ واپسی" کی بنیاد پر مانگتے ہیں۔

سُپر کلاس فقیر : فقیروں کی یہ قسم خاصی "تگڑی" ہوتی ہے۔ کسی سے پانچ دس یا سو پچاس لینا اپنی توہین سمجھتی ہے۔ ان کا "مینیمم" ریٹ لاکھوں میں اور "میکسیمم " ریٹ کروڑوں میں ہوتا ہے۔ لیکن بحالتِ مجبوری بھاگتے چور کی لنگوٹی ہی سہی کے مصداق ہزاروں پر بھی اکتفا کر لیتے ہیں۔ انہیں یوں تو دنیا کی ہر چیز میسّر ہوتی ہے لیکن ساری عُمر سکونِ قلب کو ترستے گزر جاتی ہے۔

سیاسی فقیر : پلاٹ پرمٹ' پجیرو' گرین کارڈ مانگنے والے سیاسی فقیروں کی یہ بڑی اونچی قسم ہے۔

سیاست اور "مانگ" کو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ الیکشن کے موسم میں سلیکشن کی آس پر فقیروں کا یہ قدرے مہذّب اور اعلیٰ طبقہ ٹینٹ لگا لگا کر جھوٹے وعدوں اور دعووں کے ڈونگرے برساتے

☆ عقلمند اپنے عیب خود دیکھ لیتا ہے بیوقوف کے عیب لوگ دیکھتے ہیں۔
☆ زندگی کی قدر آخری سانس لینے والے سے پوچھو۔

مظلوم فقیر : یہ مظلوم چھوٹے چھوٹے معصوم بچّے ہوتے ہیں۔ جن کو جبراً فقیر بنادیا جاتا ہے ان کی دو ذیلی اقسام ہیں۔ ایک کو آپ جبری فقیر نمبرا کہہ سکتے ہیں۔ یہ وہ بچّے ہوتے ہیں جنہیں ان کے والدین انتہائی غربت کا شکار ہونے کے باعث زبردستی بھیک مانگنے کے لئے شاہراہوں پر کھُلا چھوڑ دیتے ہیں اور بعض کے ساتھ خود والدین بھی بھیک مانگتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ بچّے آتے ہیں جو گھروں سے بھاگ کر بھیک منگوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور پھر یہ پیشہ ور بھیک منگے انہیں مختلف طریقوں سے ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر جبراً ان کے ہاتھ "پھیلا" دیتے ہیں۔

اُجرتی فقیر : پیشہ ور فقیروں کے گروپ مہنگائی کے بوجھ تلے دبے انتہائی غریب والدین سے ان کے بچّے اُجرتاً برائے "بزنس" حاصل کرلیتے ہیں۔ اور پھر انہیں باقاعدہ تربیت دے کر بھیک منگوائی جاتی ہے۔ پہلے دن جو بچّہ ۸۰ روپے کما کر لاتا ہے۔ اس کے والدین کو اس کمائی کا بیس فیصد روزانہ کے حساب سے سال یا دو سال کی اُجرت یکمشت ادا کردی جاتی ہے اور پھر یہ خریدنے والے کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ اس "اُجرتی فقیر" کا ہاتھ روزانہ کتنے گھنٹے جلتی دھوپ میں لوگوں کے سامنے پھیلائے رکھے۔

یہ تھیں فقیروں کی چند اقسام .... اب آپ سے ایک سوال ہے...... کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ "کمبل" ہماری جان نہ چھوڑے؟ اور سبھی ایک دن ان کی طرح "منگتے" بن جائیں گے؟"
"کیا کہا آپ نے"
"نہیں! نہیں!!"

تو پھر آج سے ہی بلکہ ابھی سے اپنے زبانی دعوؤں سے مشروط طور پر "تائب" ہوجایئے اور کچھ کر گزرنے کی منظم اور موثر پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس ناسوری کمبل کو معاشرے کے جسم پر سے اُتار کر دور پھینک دیجئے...... کہ ہمارا مذہب اسلام مانگنے کی عادت کو سخت ناپسند کرتا ہے۔ یاد رکھیئے! صرف "تربوز" جوڑ کر چُپ سادھ لینے سے "پرابلمز" حل نہیں ہوتے۔ ضرورت اس امر کی ہوتی کہ ہم ہر قسم کے ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اجتماعی بہتری کے لئے مل بیٹھ کر سوچیں اور ایسی ترکیب نکالیں کہ سانپ بھی "قیں" ہوجائے اور لاٹھی بھی "ڈیوائیڈ ان ٹو ٹو" ہونے سے بچ جائے!!

بنام آنکھ مچولی

قارئین کے منتخب خطوط

کاشف مرزا، رانا محمد شاہد، بورے والا- نئی امنگ اور نئے جذبوں سے سرشار آنکھ مچولی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ملا- ہر تحریر سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل تھی- **سہیل احمد، راولپنڈی**- مئی کا شمارہ حسب معمول تاخیر سے ملا- مواد بے حد مزے دار، معلوماتی اور اثر انگیز تھا- البتہ کلر صفحات کا رزلٹ پھیکا رہا- ہمارے بھائی جان پریس میں کام کرتے ہیں وہ کلر صفحات دیکھ کر کہہ رہے تھے کہ صفحات بہت سستے والے استعمال کیے گئے ہیں اس لئے رزلٹ بہتر نہیں آسکا ○ --- آپ کے بھائی جان ٹھیک کہہ رہے ہیں- آنکھ مچولی کاغذ مہنگا ہونے کی وجہ سے مسلسل خسارے میں جارہا ہے- **عباس حسین، کراچی**- مئی کے شمارے میں "چچا میاں کی بقر عید" "ایک رات کا قصہ" "بھوت پکڑا گیا" اور "فقیریالوجی" جیسی تحریریں بے حد پسند آئیں- **اعجاز فاطمہ، آمنہ خاتون، کراچی**- مئی کا آنکھ مچولی پڑھا، تمام کہانیاں اچھی لگیں- **شیخ جواد یوسف**- آپ کا رسالہ پڑھا- آپ ساتھیوں کے خطوط کے جواب دیتے ہیں امید ہے مجھے بھی دیں گے- ○ --- جواب طلب امور سے متعلق خطوط کے جواب دیئے جاتے ہیں جبکہ آپ کا خط......؟ **شفیق احمد بلوچ، پنجگور**- مئی کا

آنکھ مچولی خاصی دیر سے ملا لیکن پڑھ کر ساری کوفت دور ہو گئی۔ "سنہرے حروف" "ماہ رواں کی پہلی بات" سیدھے دل میں اتر گئے۔ "حمد" "نعت" "امت وسط کون؟" "بلی والے صحابیؓ" عمدہ کاوشیں تھیں۔ کہانیوں میں "نومی کا دوست" "مہمانوں سے جان چھڑانے کے طریقے" "چچا میاں کی بقر عید" "فقیریا لوجی" "بیگ صاحب کی شہزادی" "نتیجہ کا دن" "میل محبت سے سب سے بڑھائیں" "حج" جیسی عمدہ نظمیں بے حد پسند آئیں۔ **رومانہ چوہدری' گوجرانوالہ**۔ مئی کا سرورق متاثر نہ کر سکا اسی طرح کلر صفحات کی چھپائی اچھی نہ تھی حالاں کہ میٹر نہایت عمدہ تھا۔ کلر صفحات میں "قدرت کا مچھلی گھر" "دنیا کا سب سے بڑا جانور" "چھوٹی بچیاں بڑے کارنامے" "شکاری پودے" "دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا" اور "آپریشن ان سان ڈیاگو" بے حد دلچسپ اور معلوماتی تھے۔ **شاہد علی عباد' گجرات**۔ "شاہکار قدرت" "بخارا" "بجلی کی کہانی" اور "ہمارے عضلات" بے حد معلوماتی اور مزے دار مضامین تھے آنکھ مچولی واقعی دلچسپ اور معلوماتی رسالہ ہے۔ **فرحانہ جمیل' ساہیوال**۔ عالیہ صلاح الدین کا مضمون "انسان کا دشمن نمبر ایک" پڑھا حیرت ہوئی کہ اتنا مختصر اور معلوماتی مضمون انہوں نے کیسے لکھ لیا۔ وہ تو کہانیاں لکھتی ہیں۔ **نادر مگسی' کوئٹہ**۔ "غلاف کعبہ" پر مضمون بے حد معلوماتی اور اثر انگیز تھا۔ "اکبر الہ آبادی کی شاعری" پسند آئی۔ "دوا والا" نے بے حد متاثر کیا۔ انسانیت یہی ہے کہ انسان ایک دوسرے کے کام آئے۔ **اویس احمد قاضی' کراچی**۔ مئی کا آنکھ مچولی پڑھا۔ تمام کہانیاں دلچسپ تھیں مجھے جنوری ۹۰ء کا خوفناک نمبر چاہئے مل جائے گا ناں؟ ○ ---برادر اویس! اس کے لئے تو معذرت یہ شمارہ تو ہمارے ریکارڈ میں بھی دستیاب نہیں۔ **مقبول حسین تھہیم' کبیر والا**۔ آنکھ مچولی میں "وہ کیا راز تھا" نامی ایک ناول قسط وار چھپا تھا۔ جس لڑکے نے یہ کہانی لکھی ہے میں اس سے ملنا چاہتا ہوں کیوں کہ میں ٹیلی پیتھی کا شیدائی ہوں اور اس علم کو حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ میری اس کہانی کے مصنف سے دوستی کرا دیجئے۔ ○
---لیجئے جناب! آپ کی اس لڑکے سے تو دوستی ہو گئی لیکن بھئی ٹیلی پیتھی تو ہمیں نہیں آتی ناول تو ہم نے پاکستان کی موجودہ صورتحال کے پسِ منظر میں لکھا تھا۔ ٹیلی پیتھی دلچسپی کے لئے شامل تھی لیکن ٹیلی پیتھی واقعی ایک علم ہے جو بڑی ریاضتوں اور مشقوں کے بعد حاصل ہوتا ہے اسے سیکھنے کے لئے بہت وقت درکار ہے آپ کو اپنی پڑھائی اور مستقبل کی منصوبہ بندی کرنی چاہئے۔ **شکور احمد' لیاقت پور**۔ آنکھ مچولی میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میری درخواست ہے کہ رنگین صفحات میں اضافہ کریں۔ **عادل خان' صوبہ سرحد**۔ قلم دوست میں نظموں کی بجائے کہانیوں کو زیادہ سے زیادہ جگہ دیجئے اور ہاں "وہ کیا راز تھا" کی طرح کا کوئی خوبصورت ناول شروع کیجئے۔ **نبیل نذر' جھنگ صدر**۔ آنکھ مچولی وہ رسالہ ہے جسے پڑھ پڑھ کر آج میں اس قابل ہوا ہوں کہ چند حروف سلیقے سے لکھ سکوں۔ آنکھ مچولی میرا بہترین دوست ہے۔ **فرحان حفیظ' اسلام آباد**۔ آنکھ مچولی کا مطالعہ شروع

کیا تو مجھے بھی لکھنے کا شوق ہوا- ایک نظم بھیج رہا ہوں-**افتخار ظفر' نوید' آصف' عاصم' راجن پور**-کیا ہم دیہاتیوں کا آنکھ مچولی پر کوئی حق نہیں نہ ہی ہماری تحریریں شائع ہوتی ہیں اور نہ ہی خط چھپتے ہیں-○ --- ارے ارے! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بھئی ہمیں تو دیہات والے ہی زیادہ اچھے لگتے ہیں' ہنس مکھ' ملنسار' محبت کرنے والے سادہ لوح اور آپ کو ایک بات بتاتے چلیں کہ آنکھ مچولی پر ہر پاکستانی بچے کا حق ہے چاہے اس کا تعلق شہر سے ہو یا دیہات سے معیاری' مختصر اور دلچسپ تحریریں رسالے میں جگہ پاتی ہیں- آپ اس طرح لکھیے ناں! **سعدیہ صدیقی' لاڑکانہ**-سلسلے وار کہانی "موت کی آواز" کا تسلسل قائم رکھئے بھلے سے ایک صفحے کی کہانی شروع کیجئے لیکن بیچ میں غائب نہ کیجئے-**نثار احمد بلوچ' پنجگور**-گزشتہ چھ سال سے آنکھ مچولی پڑھ رہا ہوں یہ میرا پسندیدہ رسالہ ہے-**محمد عمر قریشی' اسلام آباد**- آج کل آنکھ مچولی "ٹاپ" پر ہے کہانیاں ہی کیا ہر چیز بہترین ہے حتیٰ کہ قیمت بھی ٹاپ پر جا رہی ہے- میرے اس خط کو بنام آنکھ مچولی میں پانچ سینٹی میٹر کی جگہ الاٹ کروادیں دیکھئے آپ کا کیا بگڑ جائے گا-○ --- آپ کا نام بھی عمر ہے اور ہمارا بھی حالاں کہ عمر نام والے اتنے شوخ و شریر نہیں ہوتے- بہرحال آپ کی شوخی پسند آئی-**راحیلہ شہناز' لاہور**- آنکھ مچولی دیر سے ملنے پر جو غصہ آیا تھا اسے میں نے تھوک دیا- "نومی کا دوست" اور "فقیریالوجی" دلچسپ اور مزے دار کہانیاں تھیں- مقابلہ معلومات عامہ صحابہ کرامؓ بہت اچھا جا رہا ہے-**اعجاز چوہدری' منٹگمری**-ارے! یہ آپ نے کیا کیا دو مہینوں سے قسط وار کہانی "موت کی آواز" رسالے سے غائب ہے- جام نذیر حسین اتنا اچھا لکھنے پر واقعی مبارک باد کے مستحق ہیں-○ --- جام نذیر حسین کی طبیعت ناساز تھی جس کی وجہ سے وہ اس قسط وار کہانی کی مزید قسطیں نہ لکھ سکے اب ان کی طبیعت بہتر ہے آپ اس قسط وار کہانی کے مزید واقعات جلد ہی ملاحظہ کر سکیں گے-**شہناز سومرو' سانگھڑ**- سرورق دیکھتے ہی مصوّر کو داد دینے کو دل چاہا- اپنے بچپن کے دن یاد آگئے- جب ہم بھی گڑیوں سے کھیلا کرتے تھے- کہانیاں سب اچھی لگیں لیکن عادل منہاج کی کہانی "نومی کا دوست" سب پر بازی لے گئی جب کہ الطاف حسین کی "فقیریالوجی" نے ہنسا ہنسا کر پیٹ میں بل ڈال دیئے- **امامہ بنت مبارک' راولپنڈی**-معلوماتی مضامین سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے- مئی کے شمارے میں تمام معلوماتی مضامین اپنی مثال آپ تھے- کہانیاں بھی پسند آئیں- **جمال شاہ' پشاور**-مئی کا شمارہ مجموعی طور پر پسند آیا پرنٹنگ البتہ پھیکی پھیکی لگی- رسالے کی قیمت بہت زیادہ ہے ہماری جیب کا کچھ تو خیال کیجئے-**سکینہ بی بی' خوشاب**-مدیر صاحب کی ماہ رواں کی پہلی بات نہایت سبق آموز تھی- "نومی کا دوست"" "بلی والے صحابی" اور "فقیریالوجی" بہت اچھی تحریریں تھیں-

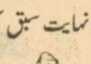

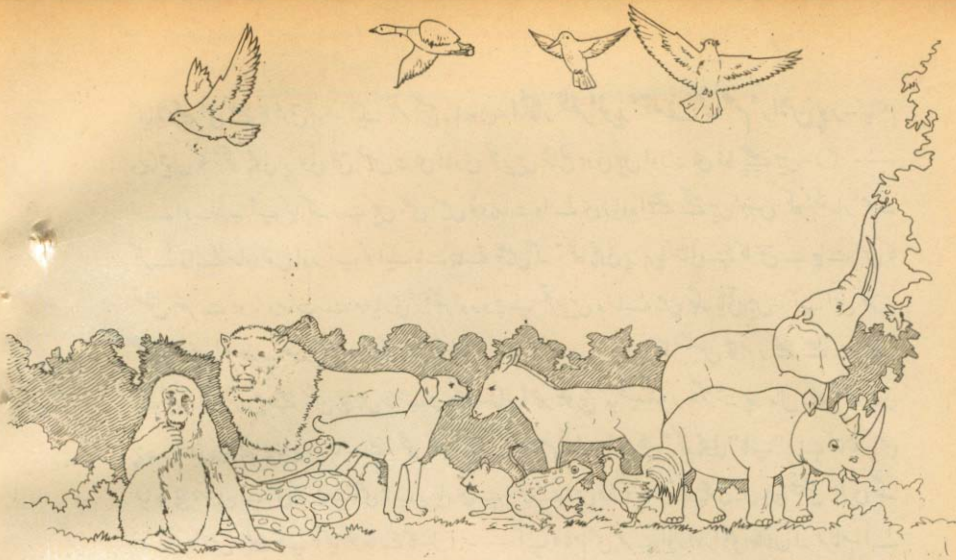

صدائیں

انیس احمد

کڑکی جو بجلی، گرجا جو بادل
ہر سو مچادی موسم نے ہلچل
اک شیر اکڑ کے بن میں دہاڑا
اور سونڈ اٹھا کے ہاتھی چنگھاڑا
گوریلا پیٹے چھاتی کو ڈھب ڈھب
لہرا کے بھالو چلتا ہے دھب دھب
کنڈلی بنا کے پُھنکارے اجگر
ٹرّائے مینڈک پانی میں ٹرٹر
مستی میں گیدڑ چیخے ہوا ہو
باغوں میں کوکی، کوئل بھی کُوکُو
منڈلائے بِھن بِھن بھنورا گلوں پر
نازک سی کلیاں ہنس دیں چٹک کر
خوش ہو کے چہکیں چڑیاں بھی چوں چوں
بولے کبوتر مل کے غٹرغوں !
شاخوں سے لٹکے بندر نقلچی
کرتے ہیں خُوخُو، دیتے ہیں بھبکی

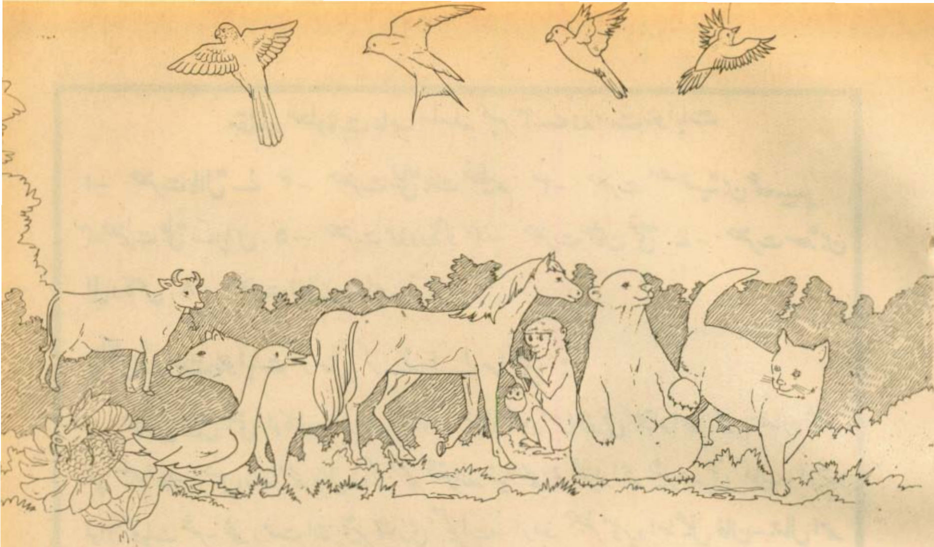

کوے کی کاں کاں کڑوی کسیلی
مینا کی تانیں میٹھی سریلی

پنجرے میں طوطا کرتا ہے ٹیں ٹیں
نکلی حلق سے بطخ کی قیں قیں

ککڑوں کوں مرغا دیتا ہے بانگیں
خرگوش سن کر مارے چھلانگیں

ماں منمنائے بکرے کی مَیں مَیں
گائے کا بچھڑا ڈکرائے بھیں بھیں

گھوڑا اچھل کر خوب ہنہنائے
اور اونٹ اٹھا کے سر بلبلائے

ڈھینچوں ہاں ڈھینچوں رینکے گدھا بھی
لوٹے زمیں پر، جھاڑے دو لتی

کتا اچانک بھوں بھوں جو بھونکا
سب لوگ ٹھٹکے، ہر کوئی چونکا

بلی کی میاؤں آواز آئی !
چوہے نے چیں چیں دی ہے دہائی

ننھا سا بچہ کرتا ہے غُوں غاں
قلقاریاں بھی مارے وہ شیطاں

ساون کے گانے گائے وجیہہ
پی پی پکارے جیسے پپیہا!

مقابلہ معلوماتِ عامہ سلسلہ نمبر ۴ کے درست جوابات

۱- حضرت بلالؓ نے ۲- حضرت لیلیٰؓ بنت خطیم ۳- حضرت مصعبؓ بن عمیر ۴- حضرت علیؓ کے پاس ۵- حضرت محذورہؓ کو ۶- حضرت عثمان غنیؓ ۷- حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ۸- حضرت زبیرؓ بن عوام نے

بالکل دُرست جوابات ارسال کرنے والے ساتھی :

طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ- فہد احمد، پشاور- شہزاد محمود، حرا قندیل، مختار احمد، محمد رمضان شاہد، محمد سلیم، طاہر، حسن رضا، محمد بلال ڈوگر، محمد ظفراللہ ضیا، محمد عمر شہزاد، محمد بشیر صدیقی، کمالیہ- ارشد نواز، کوہاٹ شہر- محمد رحمت اللہ بشیر قادری، گجرات- ارمعہ جعفر، ڈیرہ اسماعیل خان- جمال احمد درانی، رافعہ مبارک، جمیل انصاری، فواد احسن، نعیم اقبال، حیدر آباد- شرجیل، شکیل، جمیل، ایبٹ آباد- محمد عثمان علی ارشاد، نواز فقیر، خانیوال- بابر علی، ریما رانی، گجرات شہر- صائمہ، عاصمہ، راحیلہ، شہنیلہ، سکینہ بی بی، ساہیوال- شگفتہ مناف، شائستہ مناف، شبانہ مناف، شدا مناف، کراچی- سید محمد طلحہ، سید محمد اسامہ، راولپنڈی- ہما عثمان، عاطف عثمان، عامر عثمان، کراچی- منور حسین رانا، اسلام آباد- جمال الدین افغانی، پشاور شہر- شبیر چنگیزی، کوئٹہ- نادر بلوچ، پنجگور- وسیم احمد، عظیم احمد، کراچی- قادر بلوچ، انور مگسی، طاہر بلوچ، مکران-

بذریعہ قرعہ اندازی انعام حاصل کرنے والے تین خوش نصیب :

۱- محمد رمضان شاہد، کمالیہ ۲- سکینہ بی بی، ساہیوال ۳- محمد عثمان علی ارشاد، ساہیوال-

ایک غلط جواب دینے والے ساتھی :

سید محمد طلحہ، راولپنڈی- محمد ریاض، حیدر آباد- مصطفیٰ، سکھر- اسد علی خان، حیدر آباد- مہوش ساجدہ، کراچی- صدف سراج، کراچی- ضیاء اللہ خان، بھکر- منصور احمد مزاری، گھوٹکی- محمد شعیب، لاہور- صدف ریاض، فیصل آباد-

یونیسف کی ۱۹۹۳ء کی دنیا کے بچوں کی حالت کے متعلق رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ہر سال ۲۵ ارب ڈالر کی مزید رقم کی فراہمی سے دنیا میں بچوں میں عدم غذائیت کی شرح میں نصف کی کمی کرنا بچوں کی بڑی بیماریوں کو کنٹرول کرنا' پولیو کو ختم کرنا' ہر کمیونٹی میں صاف پانی مہیا کرنا' تمام بچوں کو بنیادی تعلیم فراہم کرنا ممکن ہو جائے گا۔

۲۵ ارب ڈالر خرچ کرنے کا طریقہ

ہر سال ۲۵ ارب ڈالر کی زائد رقم کی فراہمی سے اس عشرہ کے آخر تک دنیا کے تمام بچوں کی بنیادی ضروریات پوری کی جا سکتی ہیں۔

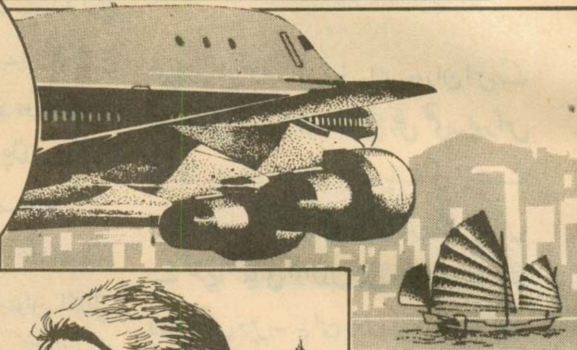

ہانگ کانگ کے لئے ہوائی اڈہ

ہانگ کانگ میں جو نیا ہوائی اڈہ تعمیر کیا جا رہا ہے اس کے لئے جتنی رقم درکار ہے اس سے ۲۵ ارب ڈالر کی رقم کچھ ہی زائد ہے۔

تمباکو اور شراب

امریکی سگریٹ پر جس قدر رقم صرف کرتے ہیں اور مغربی یورپ میں ہر تین ماہ میں جو رقم شراب پر صرف کی جاتی ہے ۲۵ ارب ڈالر کی رقم اس سے کم ہے۔

روس کیلئے امداد: دولت مند اقوام کے گروپ نے ۱۹۹۲ء کے لیے روس کے لے جس قدر امداد کی منظوری دی ہے ۲۵ ارب ڈالر کی رقم اس سے کچھ کم ہے۔

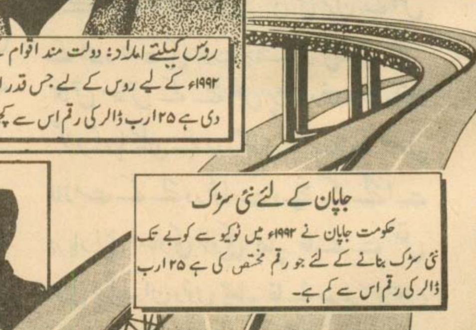

فوجیوں کی اجرتیں

ترقی پذیر دنیا میں ہر ماہ فوجیوں کی تنخواہوں پر جس قدر رقم خرچ کی جاتی ہے ۲۵ ارب ڈالر اس رقم سے کم ہے۔

جاپان کے لئے نئی سڑک

حکومت جاپان نے ۱۹۹۲ء میں ٹوکیو سے کوبے تک نئی سڑک بنانے کے لئے جو رقم مختص کی ہے ۲۵ ارب ڈالر کی رقم اس سے کم ہے۔

Illustrations Phil Green

فوٹو اسٹیٹ
ایک مفید ایجاد

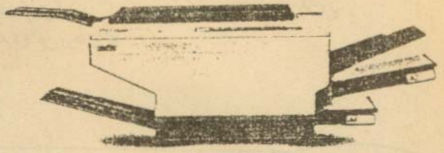

شو جیلہ تاشفین

"واہ بھئی اچھی مصیبت ہے۔ نوکری انہوں نے دینی نہیں۔ لیکن میرے تن کا آخری کپڑا تک بکوا کر دم لیں گے۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی۔ آخر یہ سلسلہ کب تک چلتا رہے گا۔"

یہ الفاظ چیسٹر کارلسن کے تھے۔ ۱۹۰۶ء میں سیٹل کیلیفورنیا (Seattle California) امریکہ میں پیدا ہونے والا یہ نوجوان انتہائی مفلس اور قلاش گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ کپڑا لتا تو دور کی بات تھی۔ کئی بار تو روٹی تک کے لالے پڑجاتے تھے۔ مگر غربت بھی اس بچے کی غیر معمولی ذہانت کو زنگ نہ لگا سکی۔ اسی ذہانت کے پیش نظر اس کے ماں باپ نے اسے ایک تعلیمی ادارے میں داخل کروادیا۔ اپنے حصول علم کے شوق کی بدولت یہ باعزم نوجوان فاقے کاٹ کر بھی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

اس کا پسندیدہ مضمون طبیعات تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے طبیعات کی تعلیم کو ہی ترجیح دی۔ آخر کار اس کی محنت شاقہ رنگ لائی اور اس نے طبیعات کی تعلیم مکمل کرلی۔ اس دوران اس کے خاندان کی غربت انتہا تک پہنچ چکی تھی۔ اور اس لعنت سے جلد از جلد نجات پانے کی نیت نے اسے حصولِ روزگار کی تلاش میں لگادیا۔ اس نے تقریباً" بیاسی اداروں میں ملازمت کے لئے درخواستیں دیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کہ روزگار ملنا ناممکن سی بات تھی۔ بااین وجہ اسے صرف دو اداروں کی طرف سے جواب ملا۔ وہ بھی نفی میں۔ اس طرح اس کے دل میں مایوسی بڑھنے لگی۔ لیکن امید کی ننھی سی کرن نے اس کے اندر ہمت کی جوت جگائے رکھی۔ اور پھر تلاش معاش کے لئے نکل پڑا۔ رفتہ رفتہ وقت گزرتا رہا لیکن بے روزگاری قائم رہی۔ حصول ملازمت کے لئے درخواست دینے کے لئے اسے ہر بار اپنی اسناد کی نزدیکی چھاپہ خانے سے نقل بنوانی پڑتی۔ ان دنوں چھاپہ خانے جدید سہولتوں سے محروم تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مطلوبہ نقول

حاصل کرنے کے لئے اسے کئی کئی ہفتے انتظار کرنا پڑتا۔ اس کے علاوہ ان پر اٹھنے والی لاگت مزید معاشی بدحالی کو دعوت دیتی تھی۔

روز روز کا انتظار اسے بے چین کردیتا۔ اس کی جھنجلاہٹ بڑھتی چلی گئی۔ جس نے اس کے ذہن میں ایک ایسی مشین تخلیق کرنے کے خیال کو جنم دیا۔ جس کا ایک بٹن دبانے سے کاغذات کی صاف ستھری، بو سے پاک اور کم لاگت پر نقول حاصل کی جاسکیں۔

اس خیال نے اسے انتہائی پر جوش بنادیا۔ اس کی ساری مایوسیاں غائب ہوگئیں۔ اور ان نے فوٹو کنڈکٹرز (Photo conductors) اور الیکٹروسٹیٹکس (Electro statics) کے مضامین کا بغور مطالعہ شروع کردیا۔ اور ساتھ ہی ایسے تجربات شروع کردیے جن کا تعلق اس کے خیال سے تھا۔ کچھ ہی دنوں میں اس کی محنت رنگ لائی۔ اور وہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۳۸ء کو ایک فوٹو کنڈکٹر سیلینیم (Celenium) کی پلیٹ کی مدد سے موی کاغذ (Wax Paper) پر عکس لینے میں کامیاب ہوگیا۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے کہ اس تاریخ کو پہلی بار دنیا کو ایسی نقل سے روشناس کروایا گیا۔ جو کہ خشک روشنائی سے حاصل کی گئی تھی۔ اس عمل کو زیروگرافی (Xerography) کا نام دیا گیا۔ لفظ زیروگرافی دو الفاظ پر مشتمل ہے۔ Xeros اور Graphos جن کا مطلب بالترتیب "خشک" اور "لکھنا" ہے۔ یعنی خشک لکھائی۔

اس تجربہ میں کامیابی کے بعد کارلسن کو سرمایہ کی ضرورت پڑی۔ اس نے اس غرض سے تقریباً بیس کمپنیوں سے رابطہ قائم کیا۔ جن میں آئی بی ایم (IBM) جیسی مشہور زمانہ کمپنی بھی شامل تھی۔ مگر بدقسمتی سے تمام کمپنیوں نے اس کے خیال کو بُری طرح ٹھکرا دیا۔ آخر کار ہولائیڈ (Holoid) کمپنی نے ۱۹۴۷ء میں تجارتی پیمانے پر اس کی پیداوار کے جملہ حقوق حاصل کرلئے۔ بعد میں یہی کمپنی ترقی کرکے ایک بہت بڑی کمپنی بن گئی اور اس کا نام "زیراکس انٹرنیشنل" دنیا بھر میں مشہور ہوگیا۔ اور جو آج بھی عکسی نقول کی دُنیا میں سرفہرست ہے۔

آج کل زیراکس اپنے صارفین کو بہترین سہولیات فراہم کئے ہوئے ہے۔ اس کی تیار کردہ ترقی یافتہ مشینوں سے اب ایک بٹن دبانے سے نہ صرف نقل حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ ان میں خود کار نظام کے تحت کاغذ کی خود کار فیڈنگ (Feeding)، سیٹ بنانے، سٹیپل کرنے اور کور لگانے کی بہترین صلاحیت موجود ہے۔ ان مشینوں کے توسط سے نہ صرف چھوٹی اور بڑی کاپی کا حصول ممکن ہے۔ بلکہ رنگین دستاویزات

کا انہی رنگوں میں عکس حاصل کرنا کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ وقت کی بچت کے لئے مشینوں کی کاپیاں نکالنے کی استعداد ۱۸۰ نقول فی منٹ تک بڑھادی گئی ہے۔ اس وقت اس شعبہ میں زیراکس کے علاوہ کینن، میٹا، یوبکس، منولٹا اور بہت سی دیگر کمپنیوں کی مشین مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔

ایک کاپی حاصل کرنے کے لئے سب سے پہلے ایک فوٹو کنڈکٹر پلیٹ (فلم یا ڈرم) کو مثبت چارج کیا جاتا ہے۔ عام طور پر اس کو چارج کرنے کے لئے ایک تار استعمال کی جاتی ہے۔ جس کو کروناوائر کہتے ہیں۔ جس میں سے تین ہزار سے پانچ ہزار وولٹ تک برقی رو گزاری جاتی ہے۔ اس کی لمبائی ڈرم یا فلم کی چوڑائی کے برابر ہوتی ہے۔ دستاویز کے عکس کو روشنی کے لیمپ کی مدد سے ڈرم پر منتقل کیا جاتا ہے۔ روشنی کو منعکس کرنے کے لئے شیشے استعمال کئے جاتے ہیں۔ عکس کو ایک عدسے کی مدد سے الٹا کردیا جاتا ہے تاکہ جب وہ کاغذ پر منتقل ہو تو وہ سیدھا ہو۔ جن حصوں پر تحریر ہوتی ہے۔ ان حصوں پر چارج رہ جاتا ہے۔ جبکہ کاغذ کا سفید حصہ روشنی کو منعکس کرکے واپس لوٹا دیتا ہے۔ اور ڈرم پر ان جگہوں سے چارج ختم ہوجاتا ہے۔ اس طرح ایک نہ نظر آنے والا دستاویز کا عکس ڈرم پر بن جاتا ہے۔ اس عمل میں جو سیاہی استعمال ہوتی ہے۔ اس کو ٹونر Toner کہا جاتا ہے۔ ٹونر عام طور باریک پاؤڈر کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس ٹونر کو منفی چارج دیا جاتا ہے۔ اس طرح متضاد برقی میدان بننے سے ٹونر ڈرم کے اوپر منتقل ہوجاتا ہے اور ڈرم پر نہ نظر آنے والا عکس نظر آنے لگتا ہے۔ وہ کاغذ جس پر عکس لینا مطلوب ہو۔ اس طرح گزارا جاتا ہے کہ وہ ڈرم کے ساتھ مس ہوتا ہوا گزرے عکس کی منتقلی کے لئے کاغذ کے نیچے زیادہ چارج کرونا تاروں میں سے گزارا جاتا ہے۔ اس طرح عکس کاغذ پر منتقل ہوجاتا ہے۔ اسی مناسبت سے ان تاروں کو ٹرانسفر کرونا وائرز کہتے ہیں۔ اس مرحلہ پر حاصل شدہ عکس ہاتھ لگانے سے مٹ سکتا ہے۔ اس کو مستقل طور پر کاغذ پر ثبت کرنے کے لئے دباؤ ڈالا جاتا ہے یا گرم کیا جاتا ہے۔ اسی لئے نقل نکلنے پر گرم محسوس ہوتی ہے۔ بعد میں ڈرم کو پری کلین کرونا وائر (Pre Clean Corona Wire) اور اریز لیمپ (Erase Lamp) سے روشنی ڈال کر صاف کردیا جاتا ہے یوں ڈرم دوبارہ کاپی کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

اس تاریخی ایجاد نے انسان کے لئے بے شمار سہولتیں فراہم کردی ہیں۔ بے شک اس کا موجد ہدیہ تبریک کا مستحق ہے۔

قلم دوست

نئے لکھنے والے ساتھی

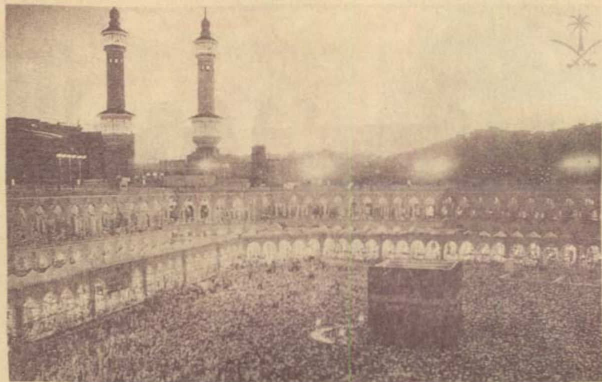

روشنی

حفیظ الرحمٰن

حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ مہمانوں کی بہت خدمت کرتے تھے۔ رات کے وقت خود اٹھ اٹھ کر چراغ کی بتی اونچی کرتے۔ کسی نے آپ سے کہا۔ "آپ ایسا نہ کریں۔ آپ تو خلیفہ ہیں۔" حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ نے فرمایا :

"جب میں بتی اونچی کرنے کے لئے اٹھا تھا تب بھی عمر تھا اور اب جب واپس بیٹھا ہوں تب بھی عمر ہوں کیا فرق پڑ گیا!!"

حمدِ باری تعالیٰ

شاعر: قیوم نظر

انتخاب : رومیسہ رشید

سب کو بنایا میرے خُدا نے

ہر ایک جانے، ہر ایک مانے

آم، آڑو، سیب اور سردے

انگور، کیلے، پھل مِیٹھے مِیٹھے

جھیل اور دریا، چاند اور تارے

صحرا، سمندر، کہسار، ٹیلے

سب کو بنایا میرے خُدا نے

ہر ایک جانے، ہر ایک مانے

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

شاعر: مولانا ظفر علی خان
انتخاب: عدنان فیصل

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں

رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر
وحدت کی تجلّی کُوند گئی آفاق کے سینہ زاروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو!
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیّاروں میں!

جو فلسفیوں سے کُھل نہ سکا جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

وہ جنس نہیں ایمان جسے لے آئیں دکان فلسفہ سے
ڈھونڈے سے ملے گی عاقل کو یہ قرآں کے سیپاروں میں

ٹرک اسے کچل کر چلا گیا تھا

ایم اعجاز احمد

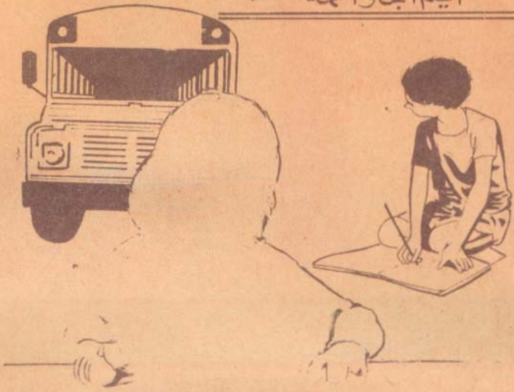

بہزاد بہت نالائق لڑکے ہو ہر روز تمہیں ہوم ورک دیتا ہوں مگر تم ہو کہ .... "ٹیوشن ماسٹر نے بہزاد کو غصیلی نظروں سے دیکھا۔ "سر جی! کل میں مکمل کام کر کے آؤں گا میں ...... میں ....." "بس بس میں اور کچھ سُننا نہیں چاہتا مجھے کل ہر قیمت میں مکمل ہوم ورک چاہیئے سنا تم نے؟" ماسٹر صاحب چیخے "جج ..... جج ..... جی میں کرلوں گا۔" بہزاد کی گھٹی گھٹی آواز نکلی اور پھر وہ کچھ سوچنے لگا۔ .... "اب کیا سوچنے لگے کام کرو اپنا......" ماسٹر صاحب نے کہا اور بہزاد کاپی پر قلم چلانے لگا۔

رات آٹھ بجے ٹیوشن سینٹر سے چھٹی ہوئی تو تمام لڑکے خوش خوش نکلے ان میں بہزاد بھی شامل تھا مگر اس کے چہرے پر اُداسی سی چھائی ہوئی تھی۔ پتا نہیں کیوں آج ٹیوشن میں ایسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی حادثہ ہونے والا ہے۔ لڑکے الگ ہوگئے تو وہ اسٹاپ کی طرف جانے لگا وہ سوچتا ہوا چلا جارہا تھا پھر اس نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکالا اور ایک چیونگم منہ میں رکھی اور چپڑ چپڑ چبانے لگا بار بار اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ حادثہ اب ہونے ہی والا ہے۔ "اور بھائی بہزاد کیا حال ہے؟" بہزاد چونکتے ہوئے آواز کی سمت مڑا یہ اس کا دوست سلیم تھا۔

"ارے تم اور .....!!" وہ بہزاد کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولا۔
"یار بہزاد میں سوچ رہا ہوں کہ اپنی ایک کرکٹ ٹیم بنائیں جو سارے اسکول میں اچھے کھیل کی وجہ سے مشہور ہو جائے کیوں کیا خیال ہے؟" "ارے بھائی تو میں نے کب منع کیا ہے آٹھ نو لڑکے جمع کرو اور کود جاؤ میدان میں۔" بہزاد نے بے پرواہی سے جواب دیا۔ "تو کیا تم نہیں کھیلو گے ہمارے ساتھ؟" سلیم حیرت سے بولا۔ "نہیں بھئی ابھی نا ہم عمران خان اور نا ہی جاوید میاں داد بننے کے چکر میں ہیں ہم تو صرف ایک اچھے طالب بننے کے چکر میں ہیں۔" "ابے ہٹ یہ کیا چکر چکر کی بات لگا رکھی ہے کھیلنا ہے کھیل نہیں تو بھاگ یہاں سے۔" سلیم نے غصہ کرتے ہوئے کہا اور دوسری سڑک پر مُڑ گیا۔
"اچھا بابا سوری....." بہزاد نے کہا مگر سلیم کہاں سُننے والا تھا۔ "ارے واہ سوری اوپر سے سینا زوری" بہزاد کو بھی غصہ آگیا اور وہ آگے بڑھ گیا۔ چلتے چلتے اسے وہی احساس دوبارہ ہونے لگا کہ حادثہ بہت ہی نزدیک پہنچ گیا ہے پھر دور کہیں سے ہارن کی آواز سنائی دی وہ آواز دور سے آنے والے ٹرک کی تھی جو بہت تیز رفتاری سے چلا آرہا تھا۔ لحہ بہ لحہ ٹرک بہزاد کے قریب تر ہوتا گیا اور پھر بہزاد کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ٹرک اس کو روندتا ہوا گزر گیا ہو درد کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی لیکن صرف چند سیکنڈ کے لئے اس کے بعد اسے سب کچھ ٹھیک سا لگا۔ اسے کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ "یہ کرشمہ ہے یا معجزہ یا کوئی غیبی طاقت نے مجھے بچالیا پتا نہیں میری کون سی نیکی کام آگئی۔" وہ سوچ کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔ پھر اس کا یہ احساس بھی ختم ہوگیا کہ اسے کسی حادثہ سے دوچار ہونا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا گھر کو چل پڑا۔ چلتے ہوئے اسے خیال آیا کہ آج تو خالہ جان آئیں گی۔ ساتھ میں فرحت' احسن' فرخ' جنید بھی تو ہوں گے۔ بہت مزا آئے گا خوب مل کر کھیلیں گے پوری رات کیرم بورڈ اور لیڈو سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ ایک بات اور امی نے آج میری پسندیدہ ڈش پکائی ہوگی۔ پھر بہزاد کو محلے کے مولوی صاحب نظر آگئے۔ وہ رُک گیا۔ "السّلام علیکم مولوی صاحب۔" اس نے مولوی صاحب کو سلام کیا لیکن وہ اس پر کوئی توجہ دیئے بغیر خاموشی سے گزر گئے۔ "حیرت ہے پہلے تو مولوی صاحب نے ایسا نہیں کیا۔ مجھے راستے میں دیکھتے ہی رُک جاتے تھے' باتیں کرتے تھے اور سر پر شفقت سے ہاتھ بھی پھیرتے تھے۔" بہزاد نے کندھے اُچکائے اور چل پڑا۔ راستے میں استاد کالو کا

ہوٹل تھا۔ بہزاد نے دیکھا کہ ہوٹل کے پاس بہت لوگ جمع ہیں۔ بہزاد ہوٹل کے نزدیک پہنچا تو معلوم ہوا کہ ٹی وی لگا ہوا ہے۔ اور ریسلنگ آرہی ہے۔ یہ پروگرام بہزاد کو بہت پسند تھا۔ وہ بھی لوگوں میں شامل ہوگیا۔ آدھے گھنٹے بعد ریسلنگ ختم ہوگئی اور بہزاد ایک بار پھر گھر کی سمت چل پڑا۔ اب وہ ایک بارونق بازار سے گزر رہا تھا یہ بازار کافی بڑا تھا لوگ چیزیں خریدنے میں مصروف تھے اس بازار میں خالہ مینا کا مکان تھا۔ بہزاد نے سوچا خالہ مینا کے گھر چلنا چاہئے خالہ مینا اس کی امی کی سہیلی تھیں۔ وہ مکان کی طرف چل پڑا مگر پھر وہ چونکا مکان کے باہر بڑا تالا لگا ہوا تھا۔ ارے یہ خالہ کہاں چلی گئیں؟ وہ بھی رات کو اس نے گھڑی دیکھی گھڑی ساڑھے نو بجا رہی تھی بہزاد نے ٹائم دیکھتے ہی دوڑ لگادی۔ وہ گھر پہنچا تو دیکھا وہاں تو گھر کے باہر بہت سے لوگ جمع ہیں ایسا معلوم ہورہا تھا کہ جیسے کسی کا انتقال ہوگیا ہو۔ ”الٰہی خیر!“ وہ ڈرتا ڈرتا گھر میں داخل ہوا تو دیکھا کہ گھر عورتوں اور مردوں سے بھرا پڑا ہے۔ ایک کونے میں اسے خالہ مینا اور اپنی امی جان نظر آئیں جو گلے مل مل کر بُری طرح رو رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی سفید کپڑے میں لپٹا کوئی سورہا تھا۔ پھر اچانک امی کا ہاتھ سفید کپڑے کی طرف بڑھا کپڑا ہٹا تو بہزاد نے دیکھا وہ خود اس میں لپٹا سورہا ہے۔ بہزاد کے پیروں سے زمین نکل گئی۔

”تو کیا میں مرچکا ہوں یہ میری روح ہے جس کی وجہ سے مجھے کوئی دیکھ نہیں پارہا کیا اسی وجہ سے مولوی صاحب نے مجھے نظرانداز کردیا تھا۔ اف خدایا! اب میں ٹیوشن کا کام کیسے مکمل کروں گا؟“ اب میں کیسے فرحت، جنید، احسن اور فرخ سے کھیلوں گا۔ ہائے وہ میری پسندیدہ ڈش میں اب اسے کیسے کھاؤں گا۔ یقیناً ”ٹرک نے مجھے کچل دیا تھا۔ میں مرگیا تھا اور اب جو کچھ بھی چلتے پھرتے دیکھ رہا ہوں وہ میری روح دیکھ رہی ہے۔

”امی ....!!“ بہزاد چیخیں مارتا ہوا امی سے لپٹ گیا امی نے اس پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ تو بس دھاڑیں مار مار کر روئے جارہی تھیں۔ ”میں زندہ ہوں۔ میں زندہ ہوں امی جی!!“ بہزاد امی کو بُری طرح جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پکارنے لگا۔ اسی وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو امی اس پر جُھکی تھیں اور گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھیں۔ ”کیا ہوا میرے لعل! تم ٹھیک تو ہو؟“ اور بہزاد اپنے زندہ ہونے پر اللہ کا شکر ادا کررہا تھا!!

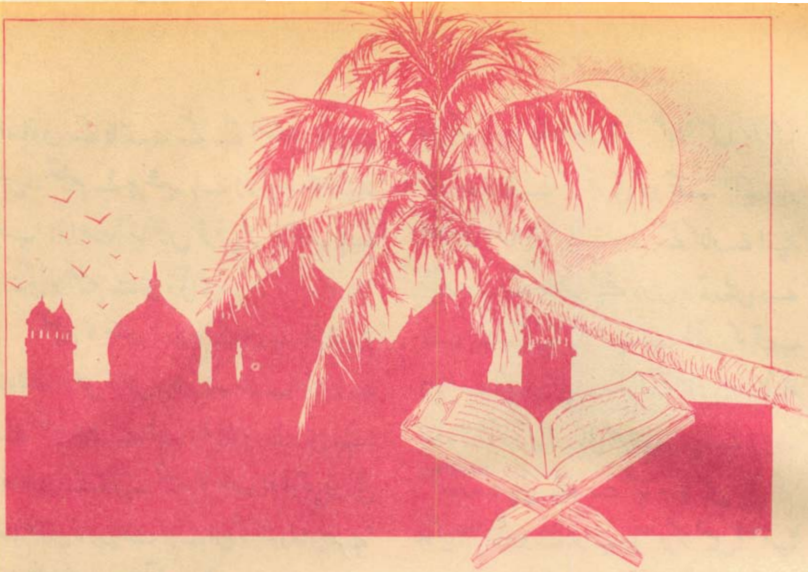

عِلم جنّت کے راستوں کا نشان

محمد طارق انصاری

اللہ تعالیٰ کے انسان پر بے حد احسانات ہیں۔ ان میں بنیادی احسان علم ہے۔ حضورؐ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی اس میں بیان کردیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم سے تعلیم دی اور اسے نامعلوم چیزوں کا علم دیا گویا تخلیق کے بعد انسان پر اللہ تعالیٰ کا دوسرا بڑا احسان علم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو بنایا تو انہیں علم عطا کیا۔ جتنے بھی انبیا علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے سب کو علم سے نوازا گیا۔ آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰؐ گرچہ اُمّی تھے لیکن آپؐ کو بھی علم عطا کیا گیا اور آپؐ کو حکمت وہدایت کی کتاب دی گئی۔

علم ہی کی برتری کی وجہ سے انسان کو اشرف المخلوق کا درجہ عطا کیا گیا ہے۔ تعلیم ہی کی برکت سے انسان نے پہاڑوں کی چوٹیوں کو سر کیا۔ آسمانوں کی بلندیوں کو چھوا اور سمندر کی موجوں پر حکمران ہے۔ علم ہی کی بدولت اس نے کائنات کو کھنگالا زمین کا سینہ چیر کر خزانہ قدرت حاصل کئے۔ انسانوں کی بھلائی کے لئے نت نئ چیزیں ایجاد کیں۔ فاصلوں کو سمیٹ دیا اور دور بیٹھے ہوئے لوگوں کو نزدیک کردیا۔ یہ تعلیم ہی کا کرشمہ تھا کہ آگ، بجلی، پانی اس کی دسترس میں آکر

انسانوں کے فائدے کے لئے استعمال ہو رہے ہیں۔ تعلیم نے ہر شعبہ ہائے زندگی کو متاثر کیا۔ طب، زراعت، سائنس غرض کہ ہر شعبہ ہائے زندگی کو تعلیم سے ہی ترقی ملی۔

تعلیم کا مقصد اسلام کے نزدیک انسان کو خلافت ارضی کا اہل بنانا ہے۔ مہذب انسان کے لئے تعلیم ہمیشہ سے ایک اہم ضرورت رہی ہے۔ افلاطون کے نزدیک تعلیم کا مقصد افراد کی قدرتی صلاحیتوں کو دریافت کر کے ان کو نشوونما دینا ہے، جبکہ ملٹن کہتا ہے "تعلیم وہ عمل ہے جو زمانہ امن و جنگ میں کسی فرد کو انفرادی اور اجتماعی فرائض منصفانہ طور پر اور ہنر مندی سے سر انجام دینے کے قابل بنائے۔"

دنیا کی سب سے بڑی کم بختی جہالت اور علم سے محرومی ہے۔ جاہل آدمی زندگی کے طور طریقوں سے واقف نہیں ہوتا۔ اسے آداب مجلس کا علم نہیں ہوتا۔ والدین اگر جاہل ہوں تو ان کی اولاد تربیت و پرورش صحیح نہیں ہو سکے گی۔ ان کے بچے آگے چل کر معاشرے میں وہ کردار ادا نہیں کر سکیں گے جو پڑھے لکھے بچے ادا کریں گے۔ حضورؐ کا فرمان ہے "علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔"

ایک اور جگہ آپؐ نے ارشاد فرمایا : "علم حاصل کرو چاہے چین جانا پڑے۔" پھر ایک اور جگہ آپؐ نے فرمایا : "علم حاصل کرو ماں کی گود سے لے کر قبر کی گود تک۔" ایک بار حضرت سلمانؓ دریائے دجلہ کے کنارے اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھے درس و تدریس دے رہے تھے۔ آپؓ نے اپنے ایک شاگرد کو قریب بلایا اسے ایک برتن دے کر کہا۔ "اس میں پانی بھر لاؤ۔" شاگرد گیا اور پانی بھر لایا۔ آپؓ نے پوچھا۔ "تمہارے پانی لینے سے کیا دریا میں پانی کم ہو گیا؟" شاگرد نے جواب دیا "ہرگز نہیں!" آپؓ نے فرمایا۔ "علم کی مثال بھی دریا کی سی ہے کہ اس میں سے جتنا خرچ کرو کم نہیں ہوتا۔"

علم کو بڑی دولت کہا گیا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے صاحبزادے نے سورہ فاتحہ مکمل کر لی تو امام نے مُعلّم کو ایک ہزار دینار دیئے۔ مُعلّم نے کہا۔ "میں نے ایسا کون سا بڑا کام کیا ہے کہ آپ نے اتنی بڑی دولت عطا فرمائی؟" امام نے جواب دیا۔ "تم نے میرے بیٹے کو جو کچھ سکھایا ہے اسے حقیر مت سمجھو۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس اس سے زیادہ رقم ہوتی تو میں بلا تامل وہ بھی دے دیتا۔"

حضرت معاذ بن جبلؓ بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :

علم حاصل کرو کیوں کہ علم کی طلب عبادت ہے۔"

عام طور پر تھوڑا بہت پڑھ لکھ لینے کو علم کہتے ہیں لیکن اصطلاحی معنوں میں علم سے مراد ہے، سُن کر یا مطالعہ کر کے صحیح معلومات کو ذہن میں رکھنا اور حتی الامکان کسی چیز کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرنا۔

علم کی شروعات یہ ہیں کہ انسان توحید سے واقف ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد دیگر اجزائے ایمان سے آگاہ ہو پھر اس کے بعد دنیاوی علوم لازم ہے۔ ہر انسان کو علم کی دولت سے مالا مال ہونا چاہئے۔ اچھی کتابوں پر عبور حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اچھا علم وہی ہے جو بہترین کتابوں سے حاصل کیا گیا ہو کیوں کہ یہی قوموں کی ترقی اور فلاح کا ضامن ہے۔

علم ایسا پھول ہے جو ہمیشہ ترو تازہ رہتا ہے، ایسا ہیرا ہے جس کی چمک دمک کو کبھی زنگ نہیں لگتا۔ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں۔ علم وہ دولت ہے جو قوت، امن اور سر بُلندی عطا کرتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا قول ہے۔ ''علم دولت سے بہتر ہے۔ علم پاسبانی کرتا ہے جب کہ دولت کی پاسبانی تمہیں کرنی پڑتی ہے۔ علم حکمران ہوتا ہے۔ جبکہ دولت پر حکمرانی کی جاتی ہے، دولت خرچ ہونے سے کم ہوتی ہے اور علم بڑھتا ہے۔''

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے :

''علم نفل عبادت سے افضل ہے'' آنحضورؐ کا ارشاد ہے ''جو آدمی علم کی تلاش کا راستہ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کی راہ آسان کردیتا ہے۔'' حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ ''رات کی ایک گھڑی علم سیکھنا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے۔''

پیارے نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰؐ نے ایک بار ارشاد فرمایا :

''علم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی چودھویں کے چاند کو ستاروں پر۔'' اگر کوئی شخص ذہنی یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے کوشش کے باوجود علم حاصل نہ کرسکے تو بھی اسے ثواب ملے گا۔ حدیث ہے کہ :

''جس نے علم کی طلب کی اور کامیاب ہوا اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر ناکام ہوا تو اکہرا اجر پائے گا۔''

علم میں غور و فکر روزے کے برابر ہے اور اس میں مشغولیت قیام فی الصلواۃ کے ہم پلہ۔ علم عمل کا رہنما ہے اور عمل کا پیرو۔ خوش نصیب ہیں وہ جو اس سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور بد بخت ہے وہ جو اس سے محروم رہا۔

نیا سال

محمد عرفان صدیقی

نظر آتے ہیں دلکش یہ بکھرے نظارے
ہوئے خوش رنگ، جتنے تھے موسم کے دھارے
تو ناچے مسرّت سے پھر لوگ سارے
اور ایسے میں بُلبُل نے بھی گیت گایا
نیا سال آیا نیا سال آیا

نیا سال یہ گویا پیغام ہے اک
جو سمجھیں تو خوشیوں کا انعام ہے اک
جو سوچیں تو ہر اک طرف کام ہے اک
خوشی سے ہر اک چہرہ پھر مُسکرایا
نیا سال آیا نیا سال آیا

چلو آؤ سب لوگ اس سمت آؤ
یہ خوشیاں تمہاری ہیں خوشیاں مناؤ
جو ہیں دور آواز دے کر بُلاؤ
کہ ساقی نے اب شادیانہ بجایا
نیا سال آیا نیا سال آیا

چھری کے نیچے

رئیس احمد مغل

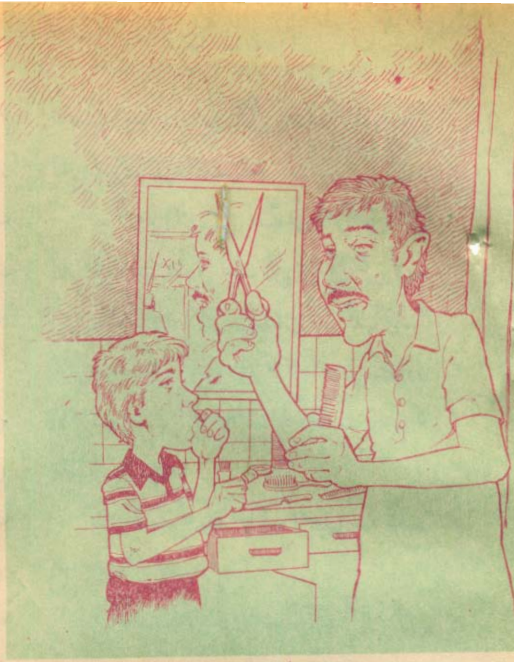

ہم ایک کمرے میں تھے اور رسیوں سے بندھے پڑے تھے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں کُرسی کے ساتھ مضبوطی سے باندھے گئے تھے۔ منہ پر ٹیپ لگا تھا۔ نہ تو ہم ہِل جُل سکتے تھے اور نہ چلّا کر کسی کو اپنی مدد کے لئے بُلا سکتے تھے۔ انہوں نے نگاہیں پھیرلی تھی۔ ایسے بیگانے بن گئے تھے جیسے ہمیں جانتے ہی نہ ہوں۔ سب بڑی بے پرواہی سے ہمیں اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے ہم قُربانی کے بکرے ہوں۔ اور واقعی کچھ دیر بعد ہماری قُربانی ہونے والی تھی۔ جو شخص ہماری کھال اُتارنے آیا تھا اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی میلی اٹیچی تھی جس میں وہ خوفناک اوزار تھے جو کچھ ہی دیر بعد ہم پر استعمال ہونے والے تھے۔

اس ظالم آدمی نے ہمارا سر کرسی کی پشت سے باندھ دیا تاکہ ہم سر بھی نہ ہلا سکیں۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنی میلی سی اٹیچی کھولی اور اوزار نکالنے شروع کئے جب وہ ہماری طرف آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار والا اُسترا چمک رہا تھا!!

آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم پر کوئی ظالم ظلم کر رہا ہے نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں اصل میں ہم بال کٹوانے کے بڑے چور ہیں۔ اس لئے گھر والوں نے ہمارے بڑے بڑے بالوں سے تنگ آکر چُپکے سے حجام کو بلوا بھیجا تھا اور ہمیں رسیوں سے جکڑ دیا تھا کہ ہم رفوچکر نہ ہوجائیں اس سے پہلے کئی دفعہ ہم حجام کے آنے سے پہلے دُنیا کا چکر لگانے نکل چکے تھے۔ لیکن بڑوں کی وہ کہاوت کہ ”بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی آخر ایک دن تو چُھری کے نیچے آئے گی“ کے مصداق ہمارا نمبر بھی آن پہنچا تھا۔

ہمیں بال کٹوانے کا بالکل شوق نہیں بال کٹوانے سے بہتر تو یہ ہے کہ ہم گردن کٹالیں۔ یہ کیا کہ فرمانبرداروں کی طرح حجام کے سامنے سر

جھکا کر بیٹھ جاؤ۔ وہ ہر طرح سے آپ کے جسم کے حساس حصے (بالوں) پر ظلم توڑتا رہے اور آپ خاموشی سے دیکھتے جاؤ۔ اوپر سے وہ مختلف زاویوں میں آپ کا سر گھماتا رہے کہ حجامت کے بعد آپ کی آنکھیں بھینگی ہوجائیں اور آپ کو ایک کے بجائے چار نظر آنے لگیں۔

حجام نے اٹیچی کھول کر لیجئے بھئی ہماری حجامت شروع کردی۔ حجام صاحب نے پانی کی چھڑکاؤ کی بوتل نکالی اور ہمارے بالوں کو پانی سے تر کردیا۔ پھر پانی ہمارے "زیرِ سر" علاقے پر گدگدی کرنے لگا۔ اس کام کے بعد انہوں نے قینچی اور کنگھی کی مدد سے ہمارے بال کم کرنا شروع کیئے صاحب جی! بال بہت بڑے ہوگئے ہیں۔ کہیں تو گنجا کردوں؟" حجام نے پیلے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے بھائی جان سے اجازت مانگی اور ہمارے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی جب بھائی جان نے فوراً اجازت دے دی وہ تو بھلا ہو ابا جان کا کہ انہیں ہماری مسکین اور مظلوم "بُوتھے" ترس آگیا اور انہوں نے کہا۔ "خلیفہ جی! فوجی کٹ" نائی قینچی اُسترا سنبھال کر شروع ہوگیا اور ہم دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے سوچنے لگے کہ اگر ہمیں گنجا کردیا جاتا تو کیا بنتا۔ ہمارے وجود سے ایک نیا وجود نکل کر آتا ایک نیا چہرہ ایک نئی کھوپڑی جس پر ہمارے شیطان دوست چپتیں مار مار کر ہمارا دماغ نکال کر ہاتھ میں دھر دیتے۔

یہ تصویر ذہن میں آتے ہی جھرجھری آگئی اور اسی وقت ہماری ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ "سیدھے بیٹھو ہلو نہیں دیکھا ناں اُسترا لگ گیا۔" حجام صاحب کی تنبیہہ سن کر ہم پتھر بن گئے اور وہ مزے مزے سے ہمارے خوبصورت بالوں کا صفایا کرنے لگے۔

بال کاٹتے کاٹتے اچانک انہوں نے ناک بھوں چڑھا کر کہا۔

"لگتا ہے چھوٹے صاحب! آپ غسل نہیں فرماتے آپ کے سر سے بقرعید کے بکروں کی بو آرہی ہے۔" "ہاں آئے گی کیوں نہیں ہر بقرعید پر ہی نہاتا ہے یہ۔" بھائی جان کی طنزیہ آواز سنائی دی اور ہم دانت چبانے کے سوا کچھ نہ کرسکے۔

بال کٹ گئے تو ہمیں آئینہ کرایا گیا اور آئینے میں اپنا بُوتھا دیکھ کر دل رونے کو چاہنے لگا کہ ہمارے وہی خوبصورت بال جن کی محلے کا ہر شخص تعریف کیا کرتا تھا اب "پیالہ کٹ" جیسے ننھے ننھے مظلوم بالوں بلکہ ہلکے گنجے سر کا روپ دھار کر "پاکستانی کوجیک" کا منظر پیش کررہے تھے!!

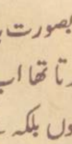

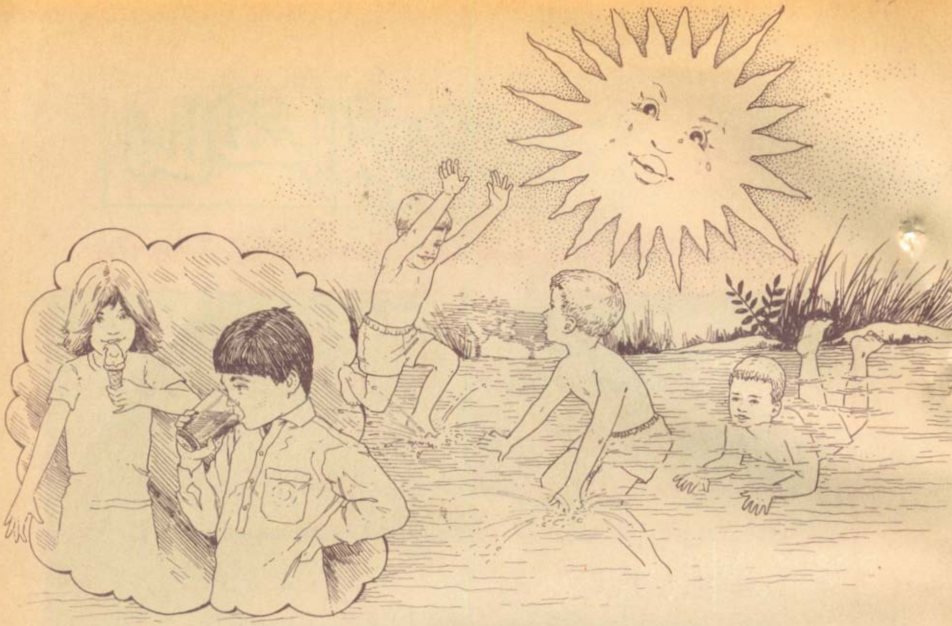

آج ہوئی ہے بارش

شاعر : رعنا اکبر آبادی   انتخاب : شہیر احمد صدیقی

آج گرمی ہے بہت کم دیکھو / مینہ برستا ہے چھماچھم دیکھو
باغ میں اب نہ کہیں خاک نہ دھول / دُھل گئے پیڑوں کے پتّے پھل پھول
مینہ برستے ہی پڑی جان میں جان / کیسے چوپال میں خوش خوش ہیں کِسان
کوئی اب کیوں نظر آئے گا اُداس / ڈھور ڈنگر کے لئے گھاس ہی گھاس
سُکھ جو بارش سے ملا دُکھ بھولے / پڑگئے گاؤں میں گھر گھر جھولے
شور کُو کُو کا ہے جنگل جنگل / آم کے پیڑ پہ بولی کوئل!

مُلا نصرالدین حوجہ

ہما عثمان

ہونٹوں پر مُسکراہٹیں بکھیرنے والی ایک دل بہار شخصیت جس کی شگفتگی آج بھی برقرار ہے۔

ملا نصرالدین حوجہ اپنی ذہانت، سادگی اور انسان دوستی کی وجہ سے وسطی ایشیا و شمالی افریقہ کی ایک مقبول شخصیت ہیں۔ چینی ترکستان میں انہیں احتراماً "آفندی" یعنی آقا کہا جاتا ہے اور بچے بوڑھے سب ہی ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کی کہانیاں بڑے شوق سے سنتے ہیں۔

ملا نصرالدین کے لطائف و ظرائف انگریزی، اردو، روسی، ہنگری، یونانی، سربو کروٹ، بلغارین وغیرہ زبانوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی بعض حکایات کو جرمن، روسی ترکی اور اور رومانوی زبانوں کے شاعروں نے اپنے طور پر نظم میں بھی بیان کیا ہے۔

(ترکی زبان میں "خ" نہیں ہے، اس لئے حوجہ پکارا جاتا ہے۔ حوجہ خواجہ کو کہتے ہیں)

ملا نصرالدین حوجہ کا تعلق اگرچہ ترکی سے بتایا جاتا ہے لیکن ان کی کہانیاں، لطیفے وسطی ایشیا اور شمالی افریقہ کے بہت سے ملکوں کے روایتی ادب کا حصہ ہیں۔ ملا نصرالدین کی زندگی کے متعلق بیانات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اولین بیانات کے مطابق وہ چودھویں صدی کے اوائل میں زندہ تھے جو بایزید اول، تیمور اور کرمانی فرمانروا علاؤالدین کا عہد ہے دوسرے بیانات کے مطابق تیرھویں صدی یعنی علاؤالدین سلجوقی کے دور کا پتہ دیتے ہیں۔ اولیا چلبی کے سفرنامے میں ملا نصرالدین حوجہ کی تیمور سے ملاقات کا ذکر ہے جو حماموں میں ہوئی، پرانے قلمی نسخوں میں ملا کو ایک شخص شیاد حمزہ کا ہم عصر بتایا جاتا ہے جو تیرھویں صدی میں سلطان علاؤالدین کا زمانہ ہے۔ ملا نصرالدین کے مقبرہ واقع اق شہر کے کتبے پر درج تاریخ وفات سے سن وفات ۱۲۸۴ء ۱۲۸۵ء نکلتا ہے۔ حسن آفندی کے بیان کے مطابق نصرالدین قریہ خورتو میں جو سورہ حصار کے قریب ہے ۶۰۵ھ / ۱۲۰۸ء۔۱۲۰۹ء میں پیدا ہوا۔ وہیں اپنے باپ کی جگہ امام کا عہدہ سنبھالا۔ ۶۳۵ھ / ۱۲۳۷ء ۱۲۳۸ء میں آقچہ شہر میں چلا آیا اور اسی جگہ اس نے ۶۸۳ھ / ۱۲۸۴ء ۱۲۸۵ء عیسوی میں وفات پائی۔

باز بچی کو لے اڑا

ظلّ حنا، کاموں کے

بچوں کے اغوا کے متعلق خبریں تو آئے دن اخبارات میں چھپتی رہتی ہیں۔ لیکن اپنی نوعیت کا عجیب و غریب اغوا کا واقعہ ہمیشہ لوگوں کے لئے دلچسپی کا سبب بنا رہے گا۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ بالکل حقیقی واقعہ ہے۔

قصّہ یوں ہے کہ ۵ جون ۱۹۳۲ء کو شمالی ناروے کے ایک گاؤں "لیکا" میں ایک چار سالہ بچی "سوان برل" اپنے گھر کے باہر کھیل رہی تھی کہ اچانک اس نے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سُنی اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا باز اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پیشتر اس کے کہ وہ مدد کے لئے چیختی، باز نے اسے اپنے طاقتور پنجوں میں دبوچا اور پرواز کرگیا۔

باز اس لڑکی کو ایک کلو میٹر سے زیادہ دور وادی کے آخری حصے کی ایک چٹان پر بنے گھونسلے میں لے گیا۔ لوگوں نے جلد ہی ننھی سوان برل کے والدین کے ساتھ مل کر تلاش شروع کردی لیکن ناکام رہے۔ آخر باز نے یہ معمّہ خود ہی حل کردیا وہ بار بار چٹان کے اوپر چکر لگاتا اور جھپٹتا تھا۔ سات گھنٹے کی دشوار گزار تلاش اور چڑھائی کے بعد لوگ چٹان پر پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ بچی بخیریت چٹان پر بے خبر سو رہی تھی۔

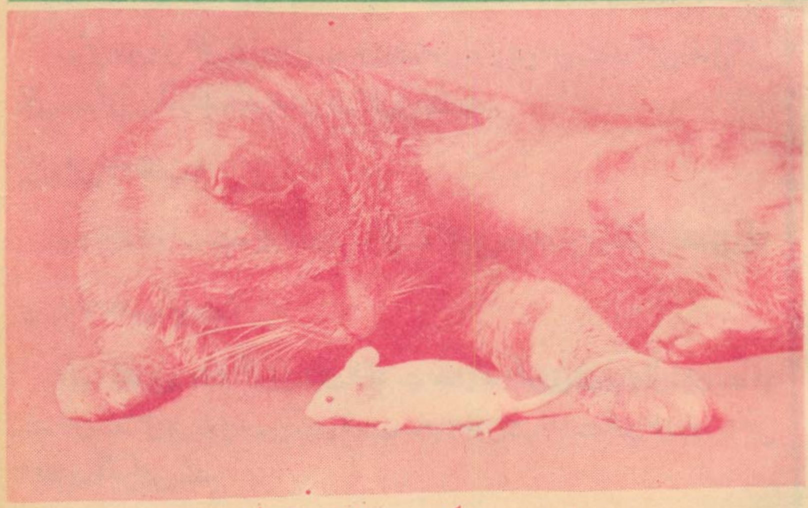

چوہے بلّی کا کھیل : دیکھئے .... بلّی کب تک کھیلتی ہے ؟

تعلیمی معلومات

مرتب: وسیم احمد صدیقی

زمینی عناصر میں آکسیجن

زمینی عناصر میں آکسیجن کی بے انتہا بہتات ہے لیکن اتنی زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود اسے نہ تو ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سُونگھ سکتے ہیں اور نہ ہی اسے چکھا جا سکتا ہے۔

آکسیجن کا حجم؟

آکسیجن گیس کے طور پر مائع کی نسبت ۸۶۰ گُنا جگہ گھیرتی ہے۔

روشنی کس شکل میں دوڑتی ہے؟

روشنی لہروں کی شکل میں دوڑتی ہے جو بہت چھوٹی ہوتی ہیں اس لئے وہ ہمیں دکھائی نہیں دیتیں۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔

ٹیلی وژن کا مطلب؟

یہ دو الفاظ کا مرکب ہے۔ ٹیلی اور ویژن۔ ٹیلی کے معنی ہیں دور اور ویژن کے معنی نظارہ یا دیکھنا

میوزیم کا مطلب کیا ہے؟

لوگ سمجھتے ہیں میوزیم انگریزی زبان کا لفظ ہے حالاں کہ انگریزی میں یہ یونانی زبان سے آیا ہے۔ جس کے معنی ہیں دیوی اور دیوتاؤں کا مندر۔ عام اصطلاح میں ہم اسے فنونِ لطیفہ اور سائنسی مصنوعات کا گھر کہیں گے۔

میں نے گھر میں طوطا پالا
میٹھے بولوں والا
آزادی کا دن جب آیا
میں نے اس کو قیدی پایا
سوچا میں نے، یہ بے چارہ
ہے کیسا قسمت کا مارا
اب میں اس کو شاد کروں گا
طوطے کو آزاد کروں گا
فوراً میں نے پنجرہ کھولا
رس کانوں میں اس نے گھولا
اس نے پائی جب آزادی
مجھ کو اپنے دل سے دُعا دی

کون بہتے ہوئے اشکوں پہ نظر رکھتا ہے   لوگ ہنستے ہوئے چہروں کو دعا دیتے ہیں

تجھ کو میرا سلام

احسن ندیم

هر زمانے میں تیرا ہو اُونچا مقام
میرے پیارے وطن تجھ کو میرا سلام

تیرے گلشن میں پھولوں کی برسات ہو
تیرے ہر گھر میں خوشیوں کی سوغات ہو

تیری کلیاں سدا مُسکراتی رہیں
تیری گلیاں سدا گُنگناتی رہیں

تجھ پہ سایہ ہمیشہ ہو قُرآن کا
نام اونچا ہو تجھ سے مُسلمان کا

تیری عظمت کو حاصل رہے گا دوام
میرے پیارے وطن تجھ کو میرا سلام

آپ کتنے پانی میں ہیں

منیر احمد فردوس

۱- ایک شخص کا منہ خشکی کی طرف ہے اور دوسرے کا منہ سمندر کی طرف- خشکی والے نے ناک بھوں چڑھائی تو سمندر والے نے دیکھ لیا اور اسے کہا کہ وہ ایسا مت کرے اس نے پھر ناک بھوں چڑھائی سمندر والے نے پھر دیکھ لیا اور اسے پھر وارننگ دی- اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اسے کس طرح دیکھ لیتا ہے یاد رہے کہ ایک کا منہ خشکی کی طرف اور دوسرے کا منہ سمندر کی طرف ہے؟

☆ --- ☆ --- ☆

۲- بدھو میاں ہائی اسکول میں گئے تو اپنے ساتھ ایک سیڑھی بھی لے گئے حالانکہ کسی استاد وغیرہ نے اسے سیڑھی لانے کو نہیں کہا تھا- بتاؤ وہ سیڑھی کیوں لے گیا؟

☆ --- ☆ --- ☆

۳- رحمان نے عثمان سے کہا کہ اس نے اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۰۱ اور ۱۰۲ کے درمیان ایک نشانی رکھی ہوئی ہے لیکن عثمان نے اس کا بیان درست تسلیم نہ کیا بتایئے کیوں؟

☆ --- ☆ --- ☆

۴- دو آدمی کوئلے کی کان سے باہر نکلے- ایک کا منہ کالا ہو رہا تھا اور دوسرے کا صاف تھا- لیکن جس کا منہ صاف تھا اس نے منہ دھولیا اور جس کا منہ کالا ہو رہا تھا اس نے اپنا منہ نہیں دھویا- وجہ کیا تھی؟

جوابات

(۱) آمنے سامنے

(۲) لفظ ہائی سے بدھو میاں اسکول کی اونچائی سمجھے۔

(۳) ۱۰۱ اور ۱۰۲ صفحات کبھی آمنے سامنے نہیں ہوتے۔

(۴) جس کا منہ صاف تھا اس نے دوسرے کا کالا منہ دیکھ کر سوچا کہ اس کا منہ بھی کالا ہو رہا ہوگا اور جس کا منہ کالا تھا وہ صاف منہ والے کو دیکھ کر سمجھا کہ اس کا منہ بھی صاف ہے اس لیے منہ نہیں دھویا۔

یہ شعر مجھے پسند ہے

بشیر بدر انڈیا کے مشہور شاعر ہیں۔ ان کے اشعار پڑھتے وقت ہلکی ہلکی پھوار پڑنے کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں ایک نیا پن ہے، دل میں اُتر جانے والی نغمگی ہے اور عہدِ حاضر کی آواز بھی۔ آج آپ کو ان کے اچھے اچھے خوبصورت اشعار پڑھوا رہے ہیں۔ آپ کو کیسے لگے ہمیں ضرور آگاہ کیجئے گا۔ (ادارہ)

ان سے کہنا میں پیدل نہیں آنے والا
کوئی بادل مجھے کاندھے پہ بٹھا کر لے جائے
مرسلہ : محمد ریاض، حیدر آباد

وسیلہ ہے انسان، رازق خدا ہے
جو در بند ہوں گے دریچے کھلیں گے
مرسلہ : ثمن عارف، کراچی

ستارے راہ کے ہیں میر و غالب و اقبال
قلم ہوں بچّے کا، تختی نئی نئی ہوں میں
مرسلہ : علی عارف، کراچی

اک سواری آئے گی اک سواری جائے گی
باری باری سب کی باری آئے گی
مرسلہ : بُشریٰ انور، کراچی

چمکنے والی ہے تحریر میری قسمت کی
کوئی چراغ کی لو کو ذرا سا کم کردے
مرسلہ : احسان فضل، حیدر آباد

مجھ سے کیا بات لکھانی ہے کہ اب میرے لئے
کبھی سونے کبھی چاندی کے قلم آتے ہیں
مرسلہ : ہُما عثمان، کراچی

پتھروں کے برتنوں میں آنسوؤں کو کیا رکھیں
پھول کو لفظوں کے گملوں میں کِھلا سکتے نہیں
مرسلہ : نوشین یمان، کراچی

چڑیوں کے لئے چاول پودوں کے لئے پانی
تھوڑی سی محبّت دے ہم چاہنے والوں کو
مرسلہ : سعد محبوب، کراچی

دِکھلا کے یہی منظر بادل چلا جاتا ہے
پانی سے مکانوں پہ کیسے لِکھا جاتا ہے
مرسلہ : سیّد محمد اُسامہ، راولپنڈی

یہی انداز ہے میرا سمندر فتح کرنے کا
مری کاغذ کی کشتی میں کئی جگنو بھی ہوتے ہیں
مرسلہ : فہد احمد شجرہ، جیکب آباد

کئی ستاروں کو میں جانتا ہوں بچپن سے
کہیں بھی جاؤں میرے ساتھ ساتھ چلتے ہیں
مرسلہ : صدف سراج، بفرزون

خواب جس دل میں رہا کرتے تھے کب کا مرچکا
کس کا دروازہ یہ بچّے کھٹکھٹانے آئے ہیں
مرسلہ : افشاں بشیر، کراچی

صحت مند آنکھ مچولی

کیا ہم بھی بنیں کوجیک... نا بابا ناں !!

لوگ پھول سونگھتے ہیں میں پھول کھاتی ہوں

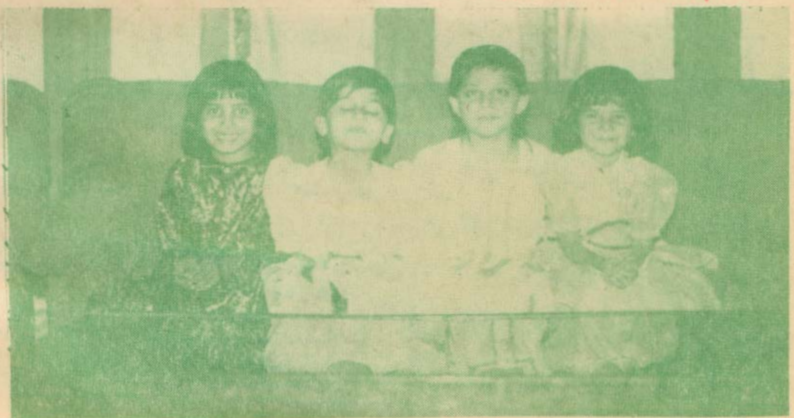

میں رُباب، میں عطیہ، میں سمن اور میں نایاب

کیسے لگ رہے ہیں ہم ۔۔۔ !!

مجھے معلوم ہے سردی نہیں ہے لیکن جیب کترے تو ہیں

میں اور میرا بھالو ۔۔۔۔۔ ہم دونوں گنجے ہیں !!

آخری بات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

"سادہ لباس ایمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔"

سادہ لباس کے بڑے فائدے ہیں۔ اس میں آدمی بڑی آسانی اور خوشی محسوس کرتا ہے۔ لباس وہ نعمت ہے جو صرف انسان کو ملی ہے، کسی اور کو نہیں ملی۔ کوئی جانور لباس نہیں پہنتا۔ آدمی کو چاہئے کہ جب وہ لباس پہنے تو اللہ کا شکر ادا کرے۔

مرد اور عورت کا لباس الگ الگ ہے۔ مرد کو عورت کا اور عورت کو مرد کا لباس نہیں پہننا چاہئے رسول اللہ نے ہمیں اس بات سے روکا ہے۔

ایک دن ایک صحابیؓ نے رسول اللہ سے پوچھا :

"اگر میں عمدہ اور خوبصورت کپڑے پہنوں تو کیا یہ بُری بات ہے؟"

رسول اللہ نے فرمایا :

"خوبصورت کپڑے پہننا اچھی بات ہے۔ اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورت چیزیں پسند فرماتا ہے۔"

جب کپڑے پہنیں تو اسے اچھی طرح جھاڑلیں تاکہ ان میں کوئی ایسا کیڑا نہ ہو جو نقصان پہنچائے۔

سادہ کپڑے پہننے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ سادہ کپڑے وہ ہوتے ہیں جن میں زیادہ خرچ نہ ہو۔ کسی کے پاس زیادہ پیسے ہوں تو اسے چاہئے کہ وہ غریبوں کو کپڑے بنوادے۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا ہے :

"جو کسی مسلمان کو کپڑے پہنائے گا اللہ قیامت میں اسے جنّت کا لباس پہنائے گا۔"

There is more to
AHMED® Corn Oil
than meets the eye.
Imported From Singapore
AHMED
PURE CORN OIL
3 Liters
Pure corn oil extracted from world's finest corn. Supremely refined, ultra-bleached and extra-deodorized.
Processed and packed on the largest and most modern plant in Singapore.
Presented in a special multi-layered plastic bottle which protects the oil from the harmful ultraviolet sun rays.
Perfect for delicious, digestible and cholesterol-free cooking.
Helps inhibit Cancer because of their high beta-carotene and Vitamin E content that are identified as anti-carcinogens.
NATURE PRODUCES TASTE AHMED PRESERVES IT!
ORIENT/McCANN

REGD. No. SS-266 AUGUST 1996
MONTHLY AANKH MICHOLEE KARACHI